صلی اللہ علیہ وسلم

رسولِ انقلاب کا طریقِ انقلاب

ڈاکٹر اسرار احمد

مکتبہ خدام القرآن لاہور

رسولِ انقلاب ﷺ
کا
طریقِ انقلاب

ڈاکٹر اسرار احمد
بانی تنظیم اسلامی

شائع کردہ
مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون:03-5869501

نام کتاب ــــــــــ رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب
طبع اوّل (ستمبر 2004ء) ــــــــــ 3300
ناشر ــــــــــ ناظم نشرو اشاعت، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
مقامِ اشاعت ــــــــــ 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون:03-5869501
مطبع ــــــــــ شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت (اشاعت خاص) ــــــــــ 25 روپے
(اشاعت عام) ــــــــــ 15 روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ......اصل فضیلت وہ ہوتی ہے جس کا دشمن بھی اقرار کریں۔

بنگالی ہندو' انٹرنیشنل کمیونسٹ آرگنائزیشن کے رکن ایم این رائے نے کہا: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب محمد (ﷺ) نے برپا کیا''۔

''سو بڑے آدمی'' کے امریکی عیسائی مصنف ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کے نزدیک انسانی زندگی کے دو علیحدہ علیحدہ میدان ہیں۔ ایک ہے مذہب' اخلاق اور روحانیت کا میدان' جبکہ ایک ہے تمدن' تہذیب' سیاست اور معاشرت کا میدان' اور ان دونوں میدانوں میں انتہائی کامیاب انسان تاریخِ انسانی میں صرف اور صرف ایک ہی ہیں' اور وہ ہیں حضرت محمد (ﷺ)۔

اسلام کا بدترین دشمن' عیسائی مؤرخ ایچ جی ویلز اپنی معروف تاریخِ عالم میں آنحضور ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کا حوالہ دینے کے بعد' یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا: ''اگرچہ انسانی اخوت' مساوات اور حریت کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کئے گئے تھے اور ایسے وعظ ہمیں مسیح ناصری کے ہاں بھی بہت ملتے ہیں' لیکن یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ یہ محمد (ﷺ) ہی تھے جنہوں نے تاریخِ انسانی میں پہلی بار ان اصولوں پر ایک معاشرہ قائم کیا''۔

چنانچہ دشمنوں کی گواہی سے بھی یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ تاریخِ انسانی کا عظیم

ترین انقلاب تھا جو محمد رسول اللہ ﷺ نے برپا فرمایا۔ انقلابِ محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کا انقلابِ فرانس اور انقلابِ روس سے تقابل کریں تو نظر آتا ہے کہ انقلابِ فرانس میں صرف سیاسی نظام بدلا اور انقلابِ روس میں صرف معاشی نظام تبدیل ہوا ـــــ لیکن انقلابِ محمدیؐ میں ہر چیز بدل گئی۔ مذہب بھی بدل گیا' عقائد بھی بدل گئے' رسومات بھی بدل گئیں' سیاسی نظام بھی بدل گیا' معاشی نظام بھی بدل گیا' معاشرت بھی بدل گئی۔ کوئی بھی شے اپنی سابقہ حالت پر قائم نہیں رہی۔

دنیا میں جتنے بھی انقلابات آئے' وہ سب جزوی تھے۔ دنیا کا جامع ترین انقلاب محمد عربی ﷺ کا انقلاب تھا۔ کیوں اور کیسے؟ اس سوال کا مفصل' مدلل' مختصر مگر جامع جواب دینے کے لئے بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ''رسولِ انقلاب ﷺ کا طریقِ انقلاب'' کے عنوان سے ۱۶ رمئی ۲۰۰۴ء کو الحمرا ہال لاہور میں اہلِ علم و دانش کو خطاب کیا۔ یہ خطاب تحریری صورت میں مرتب کر کے کتابچے کی صورت پیش کیا جا رہا ہے۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے ۸۵۔۱۹۸۴ء میں مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں نبی اکرم ﷺ کے منہج انقلاب کے موضوع پر گیارہ خطابات کئے تھے۔ ان خطابات کے مجموعے پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ''منہج انقلاب نبویؐ'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے' جس کے اب تک متعدد ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں۔ زیر نظر کتابچے کو ''منہج انقلابِ نبویؐ'' کے ایک جامع خلاصے کی حیثیت حاصل ہے۔ ○○

سید قاسم محمود

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ...... اما بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (التوبۃ:۳۳' الفتح:۲۸' الصف:۹)

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ (سبا:۲۸)

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ (الاحزاب:۲۱) ...... صدق اللّٰہ العظیم

معزز حاضرین اور محترم خواتین' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں اپنے موضوع پر براہِ راست گفتگو سے قبل آپ کے سامنے ایک سوال رکھ رہا ہوں کہ آج اُمتِ مسلمہ کی سب سے بڑی ضرورت کیا ہے؟ ہر شخص سوچے کہ کیا مال و دولت' حکومت' تعلیم' ٹیکنالوجی یا جمہوریت میں سے کوئی چیز ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے؟ میرے تجزیئے کے مطابق آج اُمتِ مسلمہ کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ وہ اسلامی انقلاب برپا کرنے کے اس طریقِ کار کو سمجھ لے جس طریقے پر محمد رسول اللہ ﷺ نے انقلاب برپا کیا۔ میری سوچ کے یہ پہلو تو آپ حضرات پر واضح ہوں گے کہ اس وقت عالمی پیمانے پر اُمتِ مسلمہ جس زبوں حالی کا شکار ہے یہ اصل میں عذابِ الٰہی ہے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم زمین پر اللہ کے دین کے نمائندے بنائے گئے تھے' لیکن ہم آج پوری دنیا میں کوئی ایک ملک بھی بطور ماڈل ایسا نہیں دکھا سکتے جس کے بارے میں ہم یہ کہہ سکیں کہ لوگو آؤ' دیکھو' یہ ہے نظامِ مصطفیٰ ﷺ ــــــ یہ ہیں اللہ کے دینِ حق کے قیام کی برکات! لہٰذا ہم اللہ کے عذاب کی گرفت میں ہیں۔ یہ بات جان لیجئے کہ اللہ کے اِذن کے بغیر بھارت اور امریکہ سمیت دنیا کی کوئی طاقت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ گویا اس وقت دنیا میں ہمارا جو حال ہو رہا ہے وہ اِذنِ ربّ ہی

سے ہو رہا ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ ہم اللہ کے دین کی صحیح نمائندگی نہیں کر رہے' بلکہ اپنے عمل سے اسے misrepresent کر رہے ہیں۔ تو اس کا حل ایک ہی ہے کہ ہم کم از کم دنیا کے کسی ایک ملک میں صحیح صحیح اسلامی نظام قائم کر کے دکھا دیں۔ اور پھر دنیا کو دعوت دیں کہ آ ؤ' دیکھو یہ ہے اسلام!

ملکی اور قومی سطح پر پاکستان کے بارے میں بھی میرا یہ موقف آپ کے علم میں ہے کہ پاکستان کے خاتمے کی الٹی گنتی شروع ہو چکی ہے۔ اس لئے کہ یہ اپنے قیام کی وجہِ جواز کھو بیٹھا ہے۔ البتہ ابھی اللہ کی طرف سے ایک مہلت باقی ہے اور اب اس کے بقاء و استحکام کی صرف ایک صورت ہے کہ یہاں پر اسلامی انقلاب بر پا ہو۔ یہ ملک اسی مقصد کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ بانی و مؤسس پاکستان قائد اعظم نے کہا تھا کہ ہم پاکستان اس لئے چاہتے ہیں کہ اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں۔ یہی بات مفکر و مبشر و مصورِ پاکستان علامہ اقبال نے فرمائی تھی۔

تیسری طرف یہ دیکھئے کہ عالمی سطح پر اس وقت دنیا کی سب سے بڑی قوت امریکہ اور اس کے حواری اس بات پر تُل گئے ہیں کہ دنیا میں کہیں پر اسلامی نظام کا ظہور نہ ہو۔ یہ وہی بات ہے جو علامہ اقبال نے ابلیس کی زبان سے کہلوائی تھی ۔

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں!

آج امریکہ اور پوری مغربی دنیا پر بالفعل یہ خوف طاری ہے کہ کہیں دنیا کے کسی کونے میں شرعِ پیغمبرؐ کا عملی ظہور نہ ہو جائے۔ ظاہر بات ہے کہ ''جَاءَ الْحَقُّ'' کے بعد ''زَهَقَ الْبَاطِلُ'' اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور یہ خوف ان پر اس درجہ مسلط ہے کہ ان کی پوری گلوبل پالیسی اسی پر مرکوز ہو گئی ہے۔ اس لئے کہ انہیں نظر آ رہا ہے کہ عالمِ اسلام کے اندر اسلامی نظام کو قائم کرنے کا جذبہ انگڑائیاں لے

رہا ہے اور یہ جذبہ ان کے اعتبار سے بہت خوفناک جذبہ ہے۔ اس ضمن میں کمی صرف یہ ہے کہ ابھی اُس جذبے کو صحیح راہِ عمل نہیں مل رہی اور محض جذبہ اس وقت تک ناکافی ہے جب تک اسے صحیح لائحہ عمل بھی نہ مل جائے۔

ان تینوں زاویوں کے حوالے سے میری بات جس نقطے پر آ کر مرکوز ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کو نظامِ زندگی کے طور پر نافذ و غالب کرنے کے لئے صحیح لائحہ عمل واضح کیا جانا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اور صحیح لائحہ عمل وہی ہو گا جو سیرت النبیؐ سے ماخوذ ہو۔ ہم نے وہ احادیث ایک جگہ جمع کر کے بہت عام کی ہیں جن سے یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ قیامت سے قبل پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو گا اور کفار کا ''نیو ورلڈ آرڈر'' نہیں' اسلام کا ''Just World Order'' پوری دنیا پر غالب ہو کر رہے گا۔ یہ جس ''نیو ورلڈ آرڈر'' کو دنیا پر مسلط کرنا چاہتے ہیں وہ درحقیقت ''جیو (یہودی) ورلڈ آرڈر'' ہے' جبکہ اسلامک ورلڈ آرڈر منصفانہ اور عادلانہ نظام ہے اور اس کے بارے میں محمد رسول اللہ ﷺ نے خوشخبری دی ہے کہ یہ قیامت سے قبل پوری دنیا پر غالب ہو گا۔ ظاہر بات ہے کہ اسلام کے عالمی غلبے کا آغاز اسی طور سے ہو گا کہ یہ نظام پہلے کسی ایک ملک میں قائم ہو گا' جیسے حضور ﷺ کے دستِ مبارک سے ''جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ'' کی کیفیت جزیرہ نمائے عرب میں پیدا ہوئی تھی۔ دنیا کے کسی ایک ملک میں بھی یہ نظام کیسے قائم ہو گا؟ اس کے ضمن میں امامِ دارالہجرت امام مالکؒ کا قول ہے: ''لَا يَصْلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ أَوَّلُهَا'' یعنی اس اُمت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو سکے گی' مگر اسی طریقے پر جس پر کہ پہلے حصے کی اصلاح ہوئی تھی۔ چنانچہ آج اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ کے انقلاب کا طریقِ کار اچھی طرح سمجھنا ہو گا اور پھر اسے apply کرنا ہو گا۔

میں نے یہ چند باتیں بطور تمہید عرض کی ہیں تاکہ آج کی گفتگو کی اہمیت آپ

پر واضح ہو جائے۔آج غلبۂ اسلام کے لئے لوگوں کے جذبے میں کمی نہیں ہے' لیکن صحیح لائحہ عمل پیش نظر نہ ہونے کے باعث تحریکیں اِدھراُدھر بھٹک رہی ہیں اور ان کا حال بالفعل یہ ہوگیا ہے کہ۔

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لئے!

اسلامی انقلاب کے لئے صحیح لائحہ عمل اختیار کرنا ہوگا جو صرف اُسوۂ رسول ﷺ میں ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ یعنی تمہارے لئے اللہ کے رسولؐ کی شخصیت اور حیاتِ طیبہ میں ایک بہت عمدہ نمونہ موجود ہے۔لیکن اس ''اسوۂ حسنہ'' سے استفادے کی تین شرائط ہیں' جو ساتھ ہی بیان فرمادی گئی ہیں:﴿لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ یعنی اس سے استفادہ وہی کرسکیں گے (۱) جو اللہ سے ملاقات کے امیدوار ہیں' (۲) جو یومِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں' اور (۳) جو کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔یہی لوگ اس اسوۂ حسنہ سے فائدہ اٹھاسکیں گے۔جیسے قرآن ''هُدًى لِّلنَّاس'' یعنی تمام نوعِ انسانی کے لئے ہدایت ہے' لیکن اس کی ہدایت سے فائدہ وہی لوگ اٹھاسکیں گے جس کے اندر تقویٰ موجود ہے۔چنانچہ قرآن حکیم کے آغاز ہی میں واضح کردیا گیا کہ یہ ''هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ'' ہے۔

انقلاب کا لغوی واصطلاحی مفہوم

اس تمہیدی گفتگو کے بعد سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ انقلاب کسے کہتے ہیں۔اس کے لفظی معنی ہیں تبدیلی۔لہٰذا ہم یہ لفظ کسی بھی لفظ کے ساتھ جوڑ کر استعمال کرلیتے ہیں۔مثلاً علمی انقلاب' ثقافتی انقلاب' سائنسی انقلاب' فوجی انقلاب۔لیکن لفظ ''انقلاب'' کے اصطلاحی مفہوم میں اس استعمال کی گنجائش نہیں۔بلکہ کسی معاشرے کے سیاسی نظام' معاشی نظام یا سماجی نظام میں سے کسی

ایک میں بنیادی تبدیلی کو صحیح انقلاب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔آج دنیا بھر میں انسانی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم مانا جاتا ہے۔ان میں سے ایک حصہ فرد کی انفرادی زندگی سے متعلق ہے' جبکہ دوسرا حصہ زندگی کے اجتماعی معاملات کو محیط ہے۔ ان میں سے مقدم الذکر حصہ مذہب کا دائرۂ کار ہے' جو کہ عقائد (dogmas)' مراسم عبودیت (rituals) اور سماجی رسومات (social customs) پر مشتمل ہے۔آج دنیا بھر میں ان معاملات میں فرد کو آزاد تسلیم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کہ وہ جس طرح کے چاہے عقائد اپنا لے۔ چاہے وہ ایک خدا کو مانے' چاہے سو کو مانے یا ہزار کو مانے' چاہے کسی کو بھی نہ مانے۔ جس طرح چاہے مراسمِ عبودیت بجا لائے۔ چاہے گوشہ نشین ہو کر تپسیائیں کرے' چاہے بتوں کے آگے سجدے کرے' یا ایک نادیدہ خدا کی پرستش کرے۔ مراسمِ عبودیت کی اسے آزادی ہے۔ چاہے روزے رکھے' نماز پڑھے' چاہے مندر میں جائے یا چرچ میں' اجازت ہے۔اسی طرح سماجی رسومات ادا کرنے میں وہ آزاد ہے۔ شادی کے موقع پر چاہے نکاح پڑھوائے چاہے پھیرے ڈلوائے۔ فوت شدہ شخص کی میت کو چاہے دفن کیا جائے چاہے اسے جلا دیا جائے۔

زندگی کا دوسرا حصہ تہذیب' تمدن' ریاست اور سیاست یعنی اجتماعی نظام سے متعلق ہے اور یہ سیاسی نظام' معاشی نظام اور سماجی نظام (The Politico-Socio-Economic System) پر مشتمل ہے۔اس کا تعلق مذہب سے نہیں ہے۔اس کا نام سیکولرزم ہے۔ واضح رہے کہ سیکولرزم کا مطلب لامذہبیت نہیں ہے' بلکہ یہ ہمہ مذہبیت' لادینیت کے اصول پر مبنی ہے۔ سیکولرزم میں مذہب تو سارے قابلِ قبول ہیں۔ یہ بات تو بش بھی کہتا ہے کہ "We are ready to embrace Islam" اسلام بطور مذہب پر انہیں کوئی اعتراض نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے امریکہ میں آ کر سینیگاگ اور چرچ خریدے

اور انہیں مساجد بنا لیا' ہم نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ انہوں نے یہاں بڑی تعداد میں ایفرو امریکنز کو اور کچھ گوروں کو بھی convert کر کے مسلمان بنا لیا' ہم نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس لئے کہ بحیثیتِ مذہب ان کی اسلام سے کوئی جنگ نہیں ہے' لیکن ایک نظام (Politico-Socio-Economic system) کی حیثیت سے اسلام انہیں قطعاً گوارا نہیں۔ اسلام کے اسی تصور کو وہ فنڈا منٹلزم کا نام دیتے ہیں۔ اور اس وقت چونکہ کچھ فنڈا مینٹلسٹ لوگوں نے جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اس پر دہشت گردی کا لیبل لگ گیا ہے' لہٰذا وہ فنڈا مینٹلزم کو دہشت گردی (Terrorism) کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ کبھی وہ ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کا نعرہ لگاتے ہیں تو کبھی ''بنیاد پرستی کے خلاف جنگ'' کا۔ حقیقت میں یہ جنگ اسلام کے نظامِ حیات کے خلاف ہے۔ یہ جنگ اسلام کے عقائد' عبادات اور رسومات کے خلاف نہیں ہے۔

آج کی اصطلاح میں انقلاب اس اجتماعی نظام میں کسی تبدیلی کو کہتے ہیں۔ مذہبی میدان میں کسی بڑی سے بڑی تبدیلی کو بھی انقلاب نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے' اس کو سمجھ لیجئے۔ تاریخِ انسانی میں سب سے بڑی مذہبی تبدیلی ۳۰۰ عیسوی میں ہوئی تھی جب شہنشاہِ روم قسطنطینِ اعظم نے عیسائیت اختیار کر لی تھی اور ساری سلطنت عیسائی ہو گئی تھی۔ مذہبی تاریخ کے اندر اتنی بڑی تبدیلی (Conversion) کبھی نہیں ہوئی۔ سلطنت روما اُس وقت تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی' یعنی پورا شمالی افریقہ' پورا مشرقی یورپ اور پورا مغربی ایشیا۔ لیکن اتنی بڑی مذہبی تبدیلی کا نام کبھی انقلابات کی تاریخ میں نہیں گنوایا گیا۔ اس لئے کہ اس مذہبی تبدیلی سے سیاسی' معاشی یا سماجی نظام میں کوئی بنیادی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ انقلاب (Revolution) وہ تبدیلی کہلائے گی جو کسی ملک کے سیاسی نظام' معاشی نظام' یا سماجی نظام سے متعلق ہو اور بنیادی نوعیت کی ہو۔

کامل انقلاب کی واحد مثال: انقلابِ نبویؐ

اب ہم دنیا کے چند مشہور انقلابات کا جائزہ لیتے ہیں۔ ان میں ''انقلابِ فرانس'' بہت مشہور ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ واقعی انقلاب تھا۔ لیکن اس سے صرف سیاسی نظام میں تبدیلی آئی تھی۔ مذہب پہلے بھی عیسائیت تھا' بعد میں بھی وہی رہا۔ سماجی ڈھانچے (Social Structure) میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تو انقلابِ فرانس میں صرف سیاسی نظام تبدیل ہوا۔ دوسرا بہت مشہور انقلاب روس کا بالشویک انقلاب ہے جو ۱۹۱۷ء میں آیا۔ اس سے صرف معاشی نظام تبدیل ہوا۔ تمام ذرائع پیداوار قومیا لئے گئے اور انفرادی ملکیت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ نوٹ کیجئے کہ یہ دونوں انقلابات ہیں جبکہ رومن امپائر کا یک وقت کرسچین ہو جانا انقلاب نہیں ہے۔

اب ذرا محمد رسول اللہ ﷺ کے برپا کردہ انقلاب کا جائزہ لیجئے۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ کیا واقعی حضور ﷺ نے انقلاب برپا کیا —— یا ہم صرف جوشِ عقیدت میں یہ دعویٰ کر بیٹھتے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے تاریخِ انسانی کا عظیم ترین انقلاب برپا کیا۔ یہ بات میں جذباتی انداز سے نہیں بلکہ ٹھنڈے تجزیئے (Cold Analysis) سے ثابت کرنا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے تو میں اس پر اغیار کی گواہیاں پیش کروں گا' اس لئے کہ ''اَلْفَضْلُ مَا شَھِدَتْ بِہِ الْاَعْدَاءُ'' (اصل فضیلت وہ ہوتی ہے جس کا دشمن بھی اقرار کریں)۔ دوست اور اعتقاد رکھنے والے تو ہر چیز کی تعریف ہی کریں گے' اصل تعریف وہ ہے جو دشمن کی زبان سے ہو۔ اگر شیر دل کنگ رچرڈ نے صلاح الدین ایوبی کی تعریف کی تو معلوم ہوا کہ واقعتاً صلاح الدین ایوبی بڑی عظیم شخصیت تھی۔

ایم این رائے ایک بنگالی ہندو تھا اور وہ انٹرنیشنل کمیونسٹ آرگنائزیشن کا رکن تھا۔ اس نے ۱۹۲۰ء میں بریڈلا ہال لاہور میں ''اسلام کا تاریخی کردار''

(The Historical Role of Islam) کے عنوان سے لیکچر دیا اور کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب محمد (ﷺ) نے برپا کیا۔ واضح رہے کہ وہ عقیدت مند نہیں ہے ایک بنگالی ہندو ہے اور ٹاپ کا کمیونسٹ ہے لیکن وہ یہ بات تسلیم کر رہا ہے۔ یہ تو ۱۹۲۰ء کی بات ہے یعنی صدی کے آغاز سے ۲۰ برس بعد —— اب ۱۹۸۰ء پر آ جائیے صدی کے اختتام سے ۲۰ برس قبل امریکہ میں ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے کتاب "The 100" لکھی۔ اس کتاب میں اُس نے پانچ ہزار سالہ معلوم انسانی تاریخ میں سے ایسے ایک سو انسانوں کا انتخاب (selection) کر کے ان کی درجہ بندی (gradation) کی جنہوں نے انسانی تمدن کے دھارے کے رخ کو موڑنے میں مؤثر کردار ادا کیا۔ اور اس درجہ بندی میں وہ نمبر ایک پر لایا محمد رسول اللہ ﷺ کو۔ ڈاکٹر مائیکل ہارٹ مذہب کے اعتبار سے عیسائی ہے اور میری اطلاع کی حد تک ابھی زندہ ہے اور مین ہٹن میں رہائش پذیر ہے۔ اس کی یہ کتاب دنیا میں بہت عام ہوئی ہے لیکن اشاعت کے بعد وہ بہت جلد نایاب ہو گئی تھی اور عام خیال یہ تھا کہ شاید کسی سازش کے تحت اسے غائب کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس نے اس کتاب میں (عیسائیوں کے نزدیک خدا کے اکلوتے بیٹے) حضرت مسیح علیہ السلام کو نمبر تین پر رکھا اور حضور ﷺ کو نمبر ایک پر لایا اور یہ بات عیسائی دنیا کے لئے قابلِ قبول اور قابلِ برداشت نہیں تھی۔ اس نے لکھا ہے:

> *"My choice of Muhammad to lead the list of the world's most influential persons may surprise some readers and may be questioned by others, but he was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels."*

ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کے نزدیک انسانی زندگی کے دو علیحدہ علیحدہ میدان ہیں۔ ایک ہے مذہب' اخلاق اور روحانیت کا میدان' جبکہ ایک ہے تمدن' تہذیب' سیاست اور معاشرت کا میدان' اور ان دونوں میدانوں میں انتہائی کامیاب (Supremely successful) انسان تاریخ انسانی میں صرف اور صرف ایک ہی ہیں اور وہ ہیں حضرت محمد ﷺ۔ جن لوگوں کو بالعموم بڑا سمجھا جاتا ہے ان کی عظمت کسی ایک پہلو سے نمایاں ہوتی ہے۔ عبادت گزاری اور نفس کشی میں گوتم بدھ بہت اونچا ہے۔ اخلاقی تعلیمات کے اعتبار سے حضرت مسیحؑ بہت اونچے ہیں' لیکن ریاست' حکومت اور سیاست میں ان کا کوئی دخل نہیں۔ فتوحات اور ملک گیری کے حوالے سے سکندرِ اعظم بہت اونچا ہے' اٹیلا بہت اونچا ہے' چنگیز خان بہت اونچا ہے' اکبر اعظم بہت اونچا ہے۔ اور بھی بڑے بڑے حکمران ہو گزرے ہیں —— لیکن دین' اخلاق اور روحانیت میں ان کا کوئی مقام تھا؟ یہاں زیرو سے بھی کام نہیں چلے گا' minus لانا پڑے گا۔ تاریخِ انسانی میں صرف اور صرف ایک ہی انسان ہے جو ہر دو اعتبار سے بلند ترین اور کامیاب ترین قرار پاتا ہے —— اور وہ ہیں محمد رسول اللہ ﷺ۔

اغیار کی گواہیوں میں سے تیسری گواہی میں ایچ جی ویلز کی دیا کرتا ہوں' لیکن اس کی جس عبارت کا میں حوالہ دیتا ہوں' اس کی کتاب ''A Concise History of the World'' کے نئے ایڈیشن سے اس عبارت کو نکال دیا گیا ہے۔ واقعتاً کسی دشمن کی زبان سے اس سے بڑا اخراجِ تحسین ممکن نہیں۔ اس لئے کہ ایچ جی ویلز بدترین دشمن ہے۔ اس نے حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین (دو بدبخت جو مسلمانوں میں پیدا ہوئے) ان سے کہیں زیادہ زہریلے اور ان سے کہیں زیادہ کمینگی والے جملے کہے ہیں۔ لیکن جب اُس نے آنحضور ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کے مندرجہ ذیل الفاظ کا حوالہ دیا ہے تو وہ

گھٹنے ٹیک کر خراجِ تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

((یَا اَیُّھَا النَّاسُ! اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ' اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی اَعْجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا اَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی)) (مسند احمد' ح ۲۲۹۷۸)

''لوگو! آگاہ ہو جاؤ' یقیناً تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ خبردار! نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر۔ اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر۔ فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے۔''

ایچ جی ویلز اگرچہ عیسائی ہے' لیکن خطبہ حجۃ الوداع کا حوالہ دینے کے بعد وہ یہ اعتراف کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے:

''اگرچہ انسانی اخوت' مساوات اور حریت کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے تھے اور ایسے وعظ ہمیں مسیح ناصری کے ہاں بھی بہت ملتے ہیں' لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ محمد (ﷺ) ہی تھے جنہوں نے تاریخِ انسانی میں پہلی بار ان اصولوں پر ایک معاشرہ قائم کیا۔''

چنانچہ دشمنوں کی گواہی سے بھی یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ تاریخِ انسانی کا عظیم ترین انقلاب تھا جو محمد رسول اللہ ﷺ نے برپا فرمایا۔ انقلابِ محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کا انقلابِ فرانس اور انقلابِ روس سے تقابل کریں تو نظر آتا ہے کہ انقلابِ فرانس میں صرف سیاسی نظام بدلا اور انقلابِ روس میں صرف معاشی نظام تبدیل ہوا ـــــــ لیکن انقلابِ محمدیؐ میں ہر چیز بدل گئی۔ مذہب بھی بدل گیا' عقائد بھی بدل گئے' رسومات بھی بدل گئیں' سیاسی نظام بھی بدل گیا' معاشی نظام بھی بدل گیا' معاشرت بھی بدل گئی۔ کوئی بھی شے اپنی سابقہ حالت پر قائم

نہیں رہی۔ ڈھونڈ کر بتایئے کہ فلاں چیز جوں کی توں رہ گئی۔ جہاں پڑھے لکھے لوگ انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے' اس قوم کو آپ ﷺ نے علم کے میدان میں دنیا کا امام بنا دیا۔ انہوں نے نئے نئے علوم ایجاد کئے' پوری دنیا کا علم سمیٹ کر' ہندوستان اور یونان تک سے علم لے کر' اور اسے مزید develope کر کے دنیا کے سامنے رکھا۔ تو پہلی بات یہ ثابت ہوئی کہ دنیا کا جامع ترین' گھمبیر ترین اور most profound انقلاب محمد عربی ﷺ کا انقلاب تھا' کوئی دوسرا انقلاب اس کے مقابلے میں نہیں آ سکتا۔ باقی سب جزوی (partial) انقلابات تھے۔ باقی تمام انقلابات میں آپ دیکھیں گے کہ فکر اور دعوت دینے والے کچھ اور لوگ تھے جبکہ انقلاب برپا کرنے والے کچھ اور۔ مارکس اور اینجلز نے کتاب Das Capital جرمنی یا انگلستان میں بیٹھ کر لکھی' لیکن جرمنی اور انگلستان کے کسی ایک گاؤں میں بھی مارکسسٹ انقلاب نہیں آیا' بلکہ تیسرے تیواڑے کہاں جا کر روس میں بالشویک اور مانشویک کے ہاتھوں انقلاب آیا' اور عین وقت پر فرنٹ پر لینن آ گیا۔ اس انقلاب کے برپا کرنے میں نہ مارکس کا کوئی حصہ ہے نہ اینجلز کا۔ تو فکر دینے والے اور تھے' اور انقلاب برپا کرنے والے اور۔ اسی طرح والٹیئر اور روسو جیسے بے شمار اصحابِ قلم تھے جنہوں نے حریت' آزادی اور جمہوریت کا ایک فکر دیا تھا' لیکن وہ محض ڈیسک ورکر تھے' کتابیں لکھ سکتے تھے' میدان میں آ کر قیادت نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا فرانس میں انقلاب برپا کیا اوباش اور بدمعاش لوگوں نے۔ یہی وجہ ہے کہ انقلابِ فرانس انتہائی خونیں انقلاب تھا۔ اسے کنٹرول کرنے والا کوئی تھا ہی نہیں اور ہجوم (mob) جو چاہے کر گزرے۔ اب ذرا contrast دیکھئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا انقلاب دنیا کا واحد انقلاب ہے کہ ابتدا سے انتہا تک اس کی قیادت ایک ہی ہستی کر رہی ہے۔ ایک وقت میں وہی ہیں جو مکے میں street preaching کر رہے ہیں' گلی گلی گھوم کر دعوتِ

دے رہے ہیں، تبلیغ کر رہے ہیں۔ کوئی پاگل کہتا ہے، کوئی مجنون کہتا ہے، کوئی کہتا
ہے شاعر ہیں۔ آپ ﷺ سب برداشت کر رہے ہیں۔ آپؐ نے کبھی پلٹ کر نہیں
کہا پاگل تم ہو۔ لیکن وہی شخص ہے جو میدانِ بدر میں فوج کی کمان کر رہا ہے۔ کوئی
ہے تاریخ میں اس کی مثال؟ میں پھر ڈاکٹر مائیکل ہارٹ کے وہی الفاظ دہراؤں گا
کہ He is the only, the only, the only person
کہاں گلی گلی دعوت دینے والا ایک شخص، کہاں ایک فوج کی کمان کرنے والا قائد،
کوئی ہے مناسبت؟

اس حوالے سے ایک بڑی اہم بات نوٹ کیجئے کہ ٹائن بی پچھلی صدی کا ایک بہت
بڑا فلاسفر آف ہسٹری گزرا ہے۔ اس نے حضور ﷺ کے بارے میں ایک بڑا زہر میں
بجھا ہوا جملہ کہا ہے:

"Muhammad failed as a prophet, but succeeded as a statesman."

یعنی ''محمد (ﷺ) ایک نبی کی حیثیت سے تو ناکام ہو گئے (نقل کفر، کفر نباشد)
البتہ ایک سیاست دان کی حیثیت سے کامیاب ہو گئے''۔

ٹائن بی کے اس ایک جملے کی شرح میں انگلینڈ کے پروفیسر ڈاکٹر منٹگمری واٹ نے
دو کتابیں لکھ دیں: Muhammad at Mecca اور Muhammad
at Madina ——— ''محمد ایٹ مدینہ'' میں اس نے بظاہر حضور ﷺ کے لئے
تعریف کے جو الفاظ ممکن تھے superlative ڈگری میں استعمال کئے، لیکن
بباطن اس نے ایک تضاد (contrast) ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ مکے والا
محمدؐ تو کچھ اور تھا اور یہ مدینہ والا محمدؐ کچھ اور ہے۔ ان تعریفی الفاظ سے دھوکہ کھا کر
ضیاء الحق مرحوم نے اس منٹگمری واٹ کو مرکزی سیرت کانفرنس کے اجلاس میں
چیف سپیکر کی حیثیت سے بلا لیا تھا۔ انہیں اندازہ ہی نہیں تھا کہ اس نے کس عیاری
سے سیرتِ طیبہ میں یہ تضاد دکھانے کی کوشش کی ہے کہ یہ دو محمد (ﷺ) علیحدہ

علیحدہ ہیں' ان کی تصویریں مختلف ہیں۔

دراصل جب یہ لوگ حضور ﷺ کی مکے کی زندگی دیکھتے ہیں تو اگرچہ وہ آپ ﷺ کو نبی یا رسول نہیں مانتے لیکن وہ یہ ضرور مانتے ہیں کہ آپؐ کی زندگی نبیوں سے کچھ مشابہ ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھوم پھر کر تبلیغ کرتے تھے' ایسے ہی حضرت محمد ﷺ دکھائی دے رہے ہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ کو جو کچھ کہا گیا انہوں نے برداشت کیا' کوئی جواب نہیں دیا' اسی طرح کا طرزِ عمل حضرت محمد ﷺ نے بھی اختیار کیا۔ چنانچہ ان کے نزدیک یہ تو کچھ نبیوں والا نقشہ ہے' جس میں آپؐ (معاذ اللہ) فیل ہو گئے۔ یہاں سے تو' بقول ان کے' جان بچا کر بھاگنا پڑا۔ وہ ہجرت کو flight (فرار) کا نام دیتے ہیں' حالانکہ flight تو کسی خوف کی بنیاد پر ہوتی ہے' جبکہ ہجرت خوف کی وجہ سے نہیں تھی' بلکہ یہ ایک حکمت عملی (strategy) تھی اور اس کا مقصد اپنے لئے متبادل Base تلاش کرنا تھا۔ بہرحال ان مستشرقین کو مدینے میں فروکش ایک بالکل نئے محمد (ﷺ) نظر آ رہے ہیں جو بڑے مدبر سیاستدان ہیں' جو ایک ریاست کے حکمران ہیں' جو فوج کے کمانڈر ہیں۔ یہاں آ کر آپؐ یہودیوں سے معاہدے کر رہے ہیں۔ یہاں پر ان کے تدبر' statesmanship اور موقع شناسی کا کمال ظاہر ہو رہا ہے۔ ان کے نزدیک یہ آنحضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا تضاد ہے۔

اس کا حوالہ صرف اس لئے دے رہا ہوں کہ حضور ﷺ کی زندگی اس اعتبار سے واقعتاً contrast کی حامل ہے کہ ایک انقلابی دعوت کا آغاز بھی آپؐ نے کیا اور اسے کامیابی کی آخری منزل تک بھی خود پہنچایا۔ دنیا کے انقلابات میں سے کوئی بھی دوسرا انقلاب ایک حیاتِ انسانی کے عرصے (span) میں پورا نہیں ہوا' بلکہ فکر دینے والے مر کھپ گئے' بعد میں کہیں وہ فکر پروان چڑھا اور اس کی بنیاد پر کہیں انقلاب آ گیا۔ جبکہ محمد رسول اللہ ﷺ کا انقلاب اس اعتبار سے منفرد اور

لاثانی ہے کہ ایک انسانی زندگی کے اندر' کل ۲۳ سال کے عرصے میں' الف سے ی تک انقلاب کے تمام مراحل طے ہو گئے۔

اس سے میں یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ آج عہدِ حاضر میں اجتماعیات' سوشیالوجی یا پولیٹکل سائنس کا کوئی طالب علم پوری دیانت داری سے انقلاب کا صحیح طریقِ کار اخذ کرنا چاہے تو اسے صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے مکمل راہنمائی مل سکتی ہے۔ مارکس' انجلز' لینن یا والٹیئر کی زندگیوں سے اس ضمن میں قطعاً کوئی راہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ گویا طریقِ انقلاب کے لئے اب دنیا کے سامنے صرف ایک ہی منبع و سرچشمہ (source) ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ ہے۔ چنانچہ میں انقلاب کے طریقِ کار پر جو کچھ عرض کر رہا ہوں اس کے لئے میرا source صرف سیرتِ محمدیؐ ہے۔ میں اسلامی اصطلاحات دین' اسلام' ایمان' جہاد اور قتال استعمال کئے بغیر جدید اصطلاحات میں انقلاب کے مراحل آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دورِ زوال کے دوران ان اصطلاحات کا مفہوم محدود اور مسخ (limited and perverted) ہو گیا ہے اور ہم جب بھی کوئی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اس کا وہی مسخ شدہ تصور ذہن میں آتا ہے۔ لہٰذا اگر ان اصطلاحات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے جدید terminology میں بات کی جائے تو انقلاب کا خاکہ نسبتاً آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اس کے بعد مناسب ہو گا کہ اس خاکہ میں قرآن و حدیث کی اصطلاحات' سیرت النبی ﷺ اور واقعات کا رنگ بھر دیا جائے۔

انقلابی عمل کے لوازم و مراحل

ایک مکمل انقلاب کے چھ یا سات مراحل ہیں ——

(۱) انقلابی نظریہ

ہر انقلاب کی پہلی ضرورت ایک ایسا انقلابی نظریہ اور انقلابی فلسفہ ہوتی ہے جو پہلے سے موجود Politico-Socio-Economic System کی جڑوں پر تیشہ بن کر گرے۔ اور جب تک اس کے اندر ایسی کاٹ موجود نہ ہو کہ یہ موجودہ سیاسی نظام کو کاٹتا ہو' معاشی نظام کو کاٹتا ہو' سماجی نظام کو کاٹتا ہو اس وقت تک وہ انقلابی نظریہ نہیں محض وعظ (Sermon) ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر وہ نظریہ اور فلسفہ نیا ہے تو معاملہ آسان ہے۔ وہ اپنی اصطلاحات خود وضع کرے گا اور ان اصطلاحات کے معنی خود معین کرے گا۔ لیکن اگر وہ کوئی پرانا نظریہ ہے تو اب اُس کی جدید تعبیر پیش کرنا ہو گی اور اس کی وضاحت دورِ حاضر کی جدید اصطلاحات کے مطابق وقت کی علمی سطح پر کرنا ہو گی۔ پھر اس نظریئے کو پھیلایا جائے' عام کیا جائے اور اس کے لئے دورِ جدید کے تمام میسر ذرائع ابلاغ استعمال کئے جائیں۔ پہلے کبھی صرف گلیوں بازاروں میں گھوم پھر کر لوگوں کو جمع کر کے دعوت دی جا سکتی تھی یا لوگوں کو کھانے پر بلا لیا جاتا اور ان کے سامنے کوئی بات رکھی جاتی۔ لیکن اب جلسے ہو سکتے ہیں' کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا سمیت دورِ جدید کے تمام ذرائع ابلاغ انقلابی نظریئے کی تشہیر و اشاعت کے لئے استعمال کئے جانے چاہئیں۔

(۲) تنظیم

دوسرے مرحلے کے طور پر جو لوگ اس نظریئے کو قبول کر لیں انہیں ایک ہیئت اجتماعی کے تحت منظّم کیا جائے۔ اس ہیئت اجتماعی یا تنظیم کی بھی دو شرطیں ہیں۔ اوّلاً یہ بڑی مضبوط ڈسپلن والی تنظیم ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ جب مقابلہ پیش آئے گا اور آپ موجودہ نظام کو ختم کرنے کے لئے میدان میں آئیں گے

تو مراعات یافتہ طبقات جن کے اس نظام سے مفادات وابستہ ہیں' اس نظام کی پاسبانی کی خاطر آپ کو کچلنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے ع ''نظامِ کہنہ کے پاسبانو یہ معرضِ انقلاب میں ہے!'' تب آپ کو ان کے مقابل ایک فوجی ڈسپلن کی ضرورت ہو گی۔ محض mob مقابلہ نہیں کر سکے گا' بلکہ یہاں ''listen & obey'' کے اصول کے تحت منظّم ہونے والی مضبوط جماعت درکار ہو گی جس کے ڈسپلن کا یہ عالم ہو کہ۔

Their's not to reason why?
Their's but to do and die!

ثانیاً یہ کہ اس تنظیم میں کارکنوں کی حیثیت اور مرتبے کا تعین تحریک کے ساتھ وفاداری اور قربانی کی بنیاد پر ہونا چاہئے' نہ یہ کہ کوئی برہمن ہو تو اونچا ہے اور شودر ہو تو نیچا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر یہ انقلابی تنظیم نہیں۔ انقلابی تنظیم میں تو ہر شخص کی commitment کی گہرائی اور تحریک کے ساتھ اس کی وابستگی اور وفاداری کی بنیاد پر اس کی حیثیت کا تعین ہو گا' یہ بھی دیکھا جائے گا کہ اس نے کتنی قربانی دی ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایک شودر کمیونسٹ پارٹی میں اوپر چلا جائے اور برہمن نیچے رہ جائے۔

(۳) تربیت

تیسرا مرحلہ کارکنوں کی تربیت کا ہے۔ اس مرحلے میں انقلابی جماعت کے کارکنوں کے ذہنوں سے انقلابی نظریہ ایک لمحے کے لئے بھی اوجھل نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اسی نظریئے پر تو ساری انقلابی جدوجہد کا دارومدار ہے۔ اگر وہ انقلابی نظریہ ذہنوں میں راسخ ہے تو عمل کا جذبہ بھی بیدار رہے گا اور اگر وہ نظریہ مدھم پڑ گیا تو جذبۂ عمل بھی ختم ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں ڈسپلن کا عادی بنایا جائے کہ سنیں اور مانیں۔ یہ آسان کام نہیں ہے' بلکہ اس کے لئے

بڑی ٹریننگ کی ضرورت ہے۔ بقول شاعر۔

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی!

لیکن تسلیم کی خو ڈالنا آسان نہیں ہے۔ اس میں اپنی انا آڑے آ جاتی ہے' بلکہ انا سے بڑھ کر انانیت راستے کا پتھر بن جاتی ہے۔ انقلابی تربیت کا تیسرا ہدف یہ ہے کہ تحریک کے کارکنوں میں اپنا تن' من' دھن سب قربان کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ اس کے بغیر انقلاب نہیں آ سکتا۔ بقول اقبال۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئنہ ہے وہ آئنہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئنہ ساز میں!

یہ تین تو انقلابی تربیت کے لازمی اجزاء ہیں۔ ان کے علاوہ چوتھا جزو یہ ہو گا کہ آپ انقلاب کے ذریعے سے جو نظام قائم کرنا چاہتے ہیں اس میں اگر کوئی روحانیت کا پہلو بھی مطلوب ہے تو کارکنوں کی روحانی تربیت بھی کرنا پڑے گی۔ کارکنوں کی روحانی تربیت کے بغیر انقلاب کے اندر روحانیت کہاں سے آ جائے گی؟

(۴) صبر محض (Passive Resistance)

یہ مرحلہ کہنے کو تو نمبر ۴ ہے لیکن حقیقت میں اس کا آغاز پہلے مرحلے کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ صبر محض (Passive Resistance) کا مطلب یہ ہے کہ انقلابی تحریک کے کارکن اپنے موقف پر ڈٹے رہیں' پیچھے نہ ہٹیں' لیکن تشدد و تعذیب کے جواب میں کسی قسم کی جوابی کارروائی نہ کریں۔ اس کی وجہ بہت منطقی (logical) ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ معاشرے کے اندر conflict پیدا کرنے والے یہی انقلابی لوگ ہوتے ہیں۔ ورنہ لوگ آرام سے بیٹھے ہوئے تھے۔ امراء بھی تھے اور غرباء بھی۔ غرباء اپنی قسمت پر راضی تھے' امراء اپنے ہاں عیش کر رہے

تھے۔ غلام بیچارہ اپنا کام کر رہا ہے' اس کو پتا ہے میری قسمت یہی ہے' مجھے خدا نے غلام بنا دیا۔ اسی لئے مارکس نے کہا تھا کہ مذہب عوام کا افیون ہے' لہٰذا عوام اپنے حال پر صابر وشاکر رہتے ہیں اور انقلاب کے لئے نہیں اٹھتے۔ وہ نظام کے خلاف بغاوت نہیں کرتے۔ چنانچہ جیسے ایک پُر سکون تالاب جس میں کوئی لہریں نہ ہوں' اس میں آپ نے پتھر مار کر ارتعاش پیدا کر دیا ہو اسی طرح انقلابی لوگ پہلے سے قائم نظام کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں کہ یہ نظام غلط ہے' یہ ایک استحصالی (exploitative) اور استبدادی (repressive) نظام ہے۔ یہ انسانوں کے اندر امتیازات (discrimination) قائم کر رہا ہے۔ تو کس نے پتھر مارا؟ داعیانِ انقلاب نے! اب پتھر پانی میں جائے گا تو کچھ لہریں تو اٹھیں گی۔ تو معاشرے میں جو لہریں اٹھتی ہیں وہ انقلابی دعوت کا ایک فطری ردِ عمل ہیں۔ البتہ اس ردِّ عمل کے بھی مختلف درجات اور stages ہوتی ہیں۔

ان میں دو stages بڑی اہم ہیں۔ پہلی stage میں کوشش یہ ہوتی ہے کہ جو شخص داعیِ انقلاب بن کر سامنے آیا ہے اس کی کردار کشی کی جائے' کسی نہ کسی طرح اس کی شخصیت کو مجروح کیا جائے' اس کی ہمت کو توڑ دیا جائے اور اس کی قوتِ ارادی کو ختم کر دیا جائے۔ لہٰذا تشدد اور تعذیب (persecution) کا واحد نشانہ داعی کی ذات بنتی ہے۔ اور یہ ایذا رسانی اوّلاً زبانی ہوتی ہے کہ یہ پاگل ہے' اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے' ہمارا نظام ٹھیک ٹھاک صدیوں سے چلا آ رہا ہے' ہمارے آباء واجداد سے چلا آ رہا ہے' یہ اسے غلط کہتا ہے۔ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے یا شاید آسیب کا سایہ ہو گیا ہے' اس پر کوئی جن آ گیا ہے۔ اگر اس انداز سے داعی کی قوتِ ارادی کو ختم کر دیا جائے تو اس کی ہمت جواب دے جائے گی۔ اب کسی اور کو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ درخت کی جڑ کٹ جائے تو سارا درخت خود بخود ہی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ داعی کھڑا رہ گیا' اپنی کردار کشی کی

کوششوں کو برداشت کر گیا' جواباً اس نے یہ نہیں کہا کہ تم پاگل ہو' میں نہیں ہوں' تمہارا دماغ خراب ہے میرا نہیں ہے' اور مخالفین نے دیکھا کہ یہ دعوت تو آگے بڑھ رہی ہے اور لوگ اس کے گرد جمع ہو رہے ہیں تو پھر زبانی ایذا رسانی سے آگے بڑھ کر جسمانی تشدد و تعذیب کی stage کا آغاز ہو جاتا ہے اور اب اس کا نشانہ صرف داعی کی ذات نہیں بلکہ انقلابی تحریک کے تمام کارکن بالخصوص کمزور عوام اور اونچے گھرانوں کے نوجوان بنتے ہیں۔ اب انہیں مارا جاتا ہے' بھوکا رکھا جاتا ہے' گھروں سے نکال دیا جاتا ہے۔ جیلوں میں ٹھونسا جاتا ہے' انہیں قتل کیا جاتا ہے' فائرنگ سکواڈز کے سامنے کھڑے کر کے ان کو سینکڑوں کی تعداد میں گولیوں سے اڑا دیا جاتا ہے۔

اب یہاں "صبر محض" کی ضرورت ہے کہ اس سارے تشدد کو کسی جوابی کارروائی کے بغیر برداشت کیا جائے۔ اس لئے کہ شروع میں انقلابی تحریک کے کارکن تھوڑے سے ہوتے ہیں۔ اگر وہ بھی مشتعل (violent) ہو جائیں تو اس سسٹم کو حق حاصل ہو گا کہ انہیں کچل کر ختم کر دیا جائے۔ لیکن اگر وہ کچھ نہیں کر رہے' کوئی جوابی کارروائی نہیں کر رہے تو انہیں تشدد و تعذیب کا نشانہ تو بنایا جائے گا لیکن انہیں کچلا نہیں جا سکے گا۔ اس طرح انہیں مہلتِ عمل حاصل ہو جائے گی کہ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اپنی دعوت پہنچا سکیں اور اپنا تنظیمی Base زیادہ سے زیادہ وسیع کر سکیں۔ یہ موجودہ سسٹم سے اسی صورت میں براہِ راست ٹکر لے سکیں گے اگر ان کے پاس طاقت ہو گی۔ اور طاقت حاصل کرنے کے لئے ابھی انہیں وقت چاہئے' جسے میں "to buy time" کہتا ہوں۔ لہٰذا ابھی انہیں اپنے تحفظ میں بھی ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے۔ اس کا نہایت اہم نتیجہ یہ نکلے گا کہ انقلابی کارکنوں کو عوام الناس کی ہمدردیاں حاصل ہو جائیں گی۔ دیکھئے معاشرے میں جہاں چوہدری' سردار' سرمایہ دار اور جاگیردار ہیں وہاں عوام بھی ہیں۔

چوہدری، سردار، تعلقہ دار، جاگیردار اور سرمایہ دار تو یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ ہمارے خلاف انقلاب کی جدوجہد ہو رہی ہے، جبکہ عوام تو یہ نہیں سمجھ رہے ہوتے، لیکن ان میں انقلابیوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے کی ہمت نہیں ہوتی، وہ ان کی حمایت میں بول بھی نہیں سکتے۔ اسی کو ہم خاموش اکثریت (silent majority) کہتے ہیں۔ عوام کی اکثریت خاموش ہوتی ہے، لیکن وہ اندھے بہرے تو نہیں ہوتے۔ وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے، انہیں کیوں مارا جا رہا ہے، کیوں قتل کیا جا رہا ہے، کیوں ان کے گھر بارود سے اڑائے جا رہے ہیں، کیوں ان کے پورے پورے خاندان کو لہوؤں میں پلوائے جا رہے ہیں —— وہ سوچتے ہیں کہ ان کا آخر جرم کیا ہے؟ انہوں نے چوری کی ہے یا ڈاکہ ڈالا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں کیا —— یہ تو محض ایک نظریئے پر یقین رکھتے ہیں اور معاشرے سے ظلم و ناانصافی اور استحصال کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ عوام محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ان پر واقعی ظلم ہو رہا ہے۔ چنانچہ اندر ہی اندر عوام کی ہمدردیاں ان انقلابیوں کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ گویا
ع ''جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ!''

(۵) راست اقدام (Active Resistance)

انقلابی جدوجہد کا پانچواں مرحلہ اقدام کا ہوگا۔ یہ انتہائی نازک فیصلے کا وقت ہے اور قیادت کی ذہانت کا امتحان ہے۔ اس مرحلے کے لئے مناسب وقت کا تعین بہت ضروری ہے۔ اگر آپ کی تیاری نہیں ہے اور آپ نے اقدام کر دیا تو آپ ختم ہو جائیں گے۔ دوسری طرف اگر تیاری پوری ہونے کے باوجود اقدام میں تاخیر کر دی تو آپ نے موقع کھو دیا۔ You have missed the bus —— گویا اگر آپ نے موقع گنوا دیا تب بھی آپ ناکام ٹھہریں گے اور اگر آپ نے قبل از وقت اقدام کر دیا، تب بھی ناکام قرار پائیں گے۔ اقدام کا فیصلہ

اس وقت کیا جانا چاہئے جب یہ محسوس ہو کہ ایک تو ہماری تعداد کافی ہے۔ ''کافی''
کا مطلب مختلف حالات میں مختلف ہو گا۔ ایک چھوٹے سے ملک میں جس کی ایک
کروڑ کی آبادی ہے' شاید پچاس ہزار آدمی بھی ایسے تیار ہو جائیں تو کافی ہو
جائیں گے' جبکہ پندرہ کروڑ کی آبادی کے ملک میں تین چار لاکھ تربیت یافتہ افراد
درکار ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ اب ان کے اندر ڈسپلن کی پوری پابندی ہو' یہ
listen & obey کے اصول کے خوگر ہو گئے ہوں کہ انہیں حکم دیا جائے گا تو
حرکت کریں گے اور جب رُکنے کا کہا جائے گا تو رُک جائیں گے۔ ایسے انقلابی
نہ ہوں کہ اوّل تو چلتے ہی نہیں اور اگر چل پڑیں تو رُکتے ہی نہیں۔ مالاکنڈ میں صوفی
محمد صاحب کی جو تحریک نفاذِ شریعت چلی تھی اس میں قائد نے حکم ہی نہیں دیا تھا اور
گولیاں چلنی شروع ہو گئی تھیں۔ پھر ان کے کارکنوں نے پہاڑوں پر جا کر مورچے
بنا لئے تھے۔ ان کے قائد نے انہیں نیچے اترنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا مولوی
بک گیا۔ تو یہ منظم جماعت نہیں تھی' اس میں ڈسپلن نہیں تھا' بلکہ یہ ایک ہجوم
(mob) تھا جو ایک جذباتی اپیل کے تحت آگے آ گیا تھا۔ اس ضمن میں تیسری
شرط یہ ہے کہ انقلابی کارکن اپنے مشن کی خاطر اپنے جان و مال سمیت ہر چیز
قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جب یہ تین شرطیں پوری ہوں تو یہ تحریک صبرِ
محض (Passive Resistance) سے راست اقدام (Active
Resistance) کے مرحلے میں منتقل ہو سکتی ہے۔

اب یہ سمجھ لیجئے کہ راست اقدام (Active Resistance) کا
مطلب کیا ہے۔ اس کے لئے بھی میں باہر سے مثالیں دوں گا' ابھی میں حضور ﷺ
کی سیرتِ طیبہ سے کوئی مثال نہیں دے رہا۔ اس لئے کہ پہلے آپ جدید
اصطلاحات کے حوالے سے ایک خاکہ اپنے ذہن میں جما لیں' پھر ہم اس میں
سیرتِ نبویؐ سے رنگ بھریں گے۔ لیکن واضح رہے کہ میرا دعویٰ یہ ہے کہ طریق

انقلاب کے علم وادراک کے لئے میرے نزدیک محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں۔ Active Resistance یہ ہے کہ آپ نظام کی کسی دکھتی رگ کو چھیڑیں' اگرچہ آپ نے براہِ راست ابھی کوئی چیلنج نہیں کیا' کوئی الٹی میٹم نہیں دیا۔ مثال کے طور پر گاندھی نے انگریز حکمرانوں کے خلاف سب سے پہلے ''عدم تشدد' عدم تعاون'' کا نعرہ بلند کیا تھا۔ یعنی ہم تشدد نہیں کریں گے' مار دھاڑ نہیں کریں گے' لیکن ہم انگلینڈ کی ملوں میں بنا ہوا کپڑا استعمال نہیں کریں گے۔ بلکہ ہم تو اپنا چرخہ چلائیں گے' اس پر سوت کاتیں گے اور اس سے کھدر بنیں گے اور وہ پہنیں گے۔ چرخے کو انہوں نے اپنا قومی نشان قرار دے دیا۔ ذرا غور تو کیجئے کہ بیسویں صدی میں ایک قوم اور اس کی ایک جماعت چرخے کو اپنا قومی نشان قرار دے رہی ہے۔ اب بتایئے کیا کوئی قانون ہو سکتا ہے کہ تم ضرور ولایتی کپڑا پہنو؟ اور کیا انہوں نے کسی اور کو کوئی نقصان پہنچایا؟ کسی کی جان اور مال کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا' لیکن حکومتی ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اس لئے کہ مانچسٹر کی ملیں بند ہونے لگیں۔ انڈیا برطانوی کپڑے کی بہت بڑی مارکیٹ تھا اور یہاں انگلینڈ سے آنے والے لٹھے' گرم کپڑے اور ململ کی بہت زیادہ کھپت تھی۔ لیکن اب یہاں صرف ''کھادی'' چل رہی تھی۔ یہ انگریز کے خلاف Active Resistance کا پہلا قدم تھا۔ اس سے انگریزوں کو پتہ چل گیا کہ اب کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ اس تحریک کا دوسرا قدم عدم تشدد پر مبنی سول نافرمانی کی تحریک تھا کہ ہم کوئی تشدد نہیں کریں گے' کوئی توڑ پھوڑ اور مار دھاڑ نہیں کریں گے' لیکن قانون توڑیں گے۔ اور قانون شکنی کا انداز ملاحظہ ہو کہ پرماتما کا سمندر ہے' پرماتما نے اس میں نمک پیدا کیا ہے' ہم پرماتما کے سمندر سے نمک نکالنے جا رہے ہیں۔ ہم نے تو کسی کو کچھ نہیں کہا۔ لیکن اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ نے برطانوی حکومت کی ٹیکس پالیسی کو چیلنج کر دیا۔ اس لئے کہ نمک پر ایکسائز ڈیوٹی عائد تھی۔

چنانچہ اب لاٹھیاں پڑیں' بڑے بڑے لیڈروں کے سر پھٹے اور بڑے پیمانے پر جیلیں بھری گئیں۔ اگرچہ تحریک آزادی کے کارکنوں نے کوئی تشدد نہیں کیا!

(۶) مسلح تصادم (Armed Conflict)

اقدام کے بعد چھٹا اور آخری مرحلہ براہِ راست تصادم کا ہوگا۔ یعنی موجودہ نظام اور اس کے محافظوں کے ساتھ انقلابی کارکنوں کا باقاعدہ جسمانی تصادم ہو گا۔ کیونکہ جب آپ نے Active Resistance شروع کر دی ہے تو گویا کہ آپ نے پورے سسٹم کو براہِ راست چیلنج کر دیا ہے' لہٰذا اب موجودہ استحصالی نظام انقلابی تحریک کے کارکنوں کو مکمل طور پر کچلنے کے لئے اقدام کرے گا۔ اس مرحلے پر انقلابی تحریک کا امتحان ہوگا۔ اگر تحریک نے انقلاب کے لئے تیاری ٹھیک طور سے کی تھی' کارکنوں کی تنظیم و تربیت درست نہج پر کی گئی تھی' صحیح وقت پر اقدام کا فیصلہ کیا تھا تو یہ تحریک کامیاب ہو جائے گی۔ اور اگر تیاری کے بغیر ہی اقدام کر دیا' ابھی نہ تو انقلابی کارکنوں کی معتدبہ تعداد موجود تھی' نہ ابھی ان کی تربیت تھی' نہ وہ listen and obey کے خوگر تھے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ تحریک ناکام ہو جائے گی۔ گویا تصادم کے اس مرحلے کے بعد تو تخت یا تختہ والی بات ہوگی' کوئی درمیانی بات نہیں ہوگی۔ اس تصادم کی کئی شکلیں ہو سکتی ہیں' وہ میں بعد میں بیان کروں گا۔

طریقِ انقلاب کے ضمن میں مَیں نے اب تک جو کچھ عرض کیا ہے اس کو اگر آپ شعری انداز میں سمجھنا چاہیں تو علامہ اقبال کے ایک فارسی شعر کے حوالے سے سمجھ سکتے ہیں۔

گفتند جہانِ ما آیا بہ تو می سازد؟
گفتم کہ نمی سازد' گفتند کہ برہم زن!

اس شعر میں اقبال اللہ سے اپنا ایک مکالمہ بیان کر رہا ہے۔ اللہ نے مجھ سے کہا اے اقبال! میں نے تمہیں اپنی جس دنیا میں بھیجا ہے آیا وہ تمہارے ساتھ سازگار ہے؟ کیا تمہیں وہ پسند ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں' مجھے پسند نہیں! یہاں ظلم ہے' یہاں غریب پس رہا ہے۔ یہاں مزدور کے رگوں کے خون کی سرخی سے شراب کشید کر کے سرمایہ دار پیتا ہے۔

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب
انقلاب! انقلاب! اے انقلاب!!

سرمایہ دار نے مزدور کی رگوں میں دوڑنے والے خون سے سرخ شراب کشید کی ہے اور جاگیرداروں کے ظلم وستم سے دہقان کی کھیتی خراب ہے۔ اس کے بچے بھوکے ہیں اور اس کی کھیتی سے ان کی غذا کا اہتمام نہیں ہو رہا۔ یہ اقبال کی بڑی عظیم نظم ہے جس میں اس نے انقلاب کا نعرہ لگایا ہے۔ تو اقبال کہتے ہیں کہ جب میں نے کہا کہ مجھے تیرا یہ جہان پسند نہیں' یہ میرے لئے سازگار نہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''برہم زن!'' یعنی اسے توڑ پھوڑ دو' درہم برہم کر دو! یہاں انقلاب برپا کر دو!!

اب اس انقلاب کا طریق کار کیا ہو؟ اسے اقبال نے دو مصرعوں میں بیان کر دیا ہے۔ پہلے مصرعہ میں چار مراحل اور دوسرے میں دو مراحل بیان کئے ہیں۔

با نشۂ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!

پہلے درویشی کی روش اختیار کرو اور اپنا کام کرتے رہو۔ دعوت وتبلیغ میں لگے رہو۔ کوئی پاگل کہے یا کوئی گالی دے تو اُسے جواب میں دعا دو۔ یہ درویشی ہے۔ گویا بدھ مت کے بھکشو بنے ہوئے ہیں۔ مارا جا رہا ہے تو جواب نہیں دے رہے

ہیں۔ اور جب تیار ہو جاؤ یعنی تعداد بھی کافی ہو‘ ٹریننگ بھی صحیح ہو چکی ہو‘ ڈسپلن کے بھی پابند ہو جائیں اور ہر شے قربان کرنے کو تیار ہوں تو اب اپنے آپ کو سلطنتِ جم کے ساتھ ٹکرا دو۔ اس ٹکراؤ کے بغیر انقلاب نہیں آتا۔ وعظ سے انقلاب نہیں آیا کرتا۔ ٹکراؤ میں جانیں جائیں گی‘ خون دینا پڑے گا۔ ٹھنڈے ٹھنڈے انقلاب نہیں آتا۔ یہ چھ مراحل جو میں نے گنوائے‘ یہ کسی ملک کے اندر انقلاب کی تکمیل کے مراحل ہیں۔

(۷) تصدیرِ انقلاب

مذکورہ بالا چھ مراحل کے علاوہ انقلاب کا ایک ساتواں مرحلہ بھی ہے اور یہ ایک حقیقی انقلاب کا litmus test ہے۔ ایک حقیقی انقلاب کبھی بھی اپنی جغرافیائی یا قومی و ملکی اور حکومتی سرحدوں کے اندر محدود نہیں رہتا۔ کیونکہ اگر انقلابی نظریہ زوردار‘ قوی‘ مضبوط‘ مدلل اور مبرہن ہے تو یہ لوگوں کے قلوب و اذہان کو اپنی گرفت میں لے گا۔ چنانچہ حقیقی انقلاب لازماً برآمد (export) ہوتا ہے‘ وہ اپنی حدود میں نہیں رہ سکتا۔

یہ ہے انقلابی عمل کا وہ خاکہ جسے میں نے سیرتِ نبویؐ سے اخذ کیا ہے‘ لیکن دینی اصطلاحات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے عمومی انداز میں آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ اب ہم اس خاکے میں سیرتِ نبویؐ اور انقلابِ نبوی کا رنگ بھرتے ہیں۔

رسولِ انقلاب ﷺ کا انقلابی نظریہ اور اس کے تقاضے

محمد رسول اللہ ﷺ کا انقلابی نظریہ کیا ہے؟ ایک لفظ میں بیان کریں تو وہ ہے ’’توحید‘‘ جس کے بارے میں اقبال کہتا ہے۔

زندہ قوت تھی زمانے میں یہ توحید کبھی
اور اب کیا ہے‘ فقط اک مسئلہ علمِ کلام!

جو کبھی انقلابی نظریہ تھا وہ آج ایک مذہبی بحث و نزاع کا موضوع بن کر رہ گیا ہے۔
اب اس نظریہ کے جو انقلابی نتائج و مضمرات ہیں ذرا ان پر ایک نظر ڈال لیں۔

۱) انسانی حاکمیت کی بجائے خلافت

میں نے عرض کیا تھا کہ انقلابی نظریہ کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ وہ موجودالوقت نظام کی جڑوں پر تیشہ بن کر گرے۔ نظریۂ توحید کے متضمنات میں سب سے پہلی بات اللہ کی حاکمیت ہے۔ اللہ کی زمین پر نہ کوئی انسان حاکم ہے اور نہ کوئی قوم حاکم ہے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی' باقی بتانِ آزری!

نظریۂ توحید انسانی حاکمیت کی ہر شکل میں نفی کرتا ہے۔ انسانی حاکمیت نہ تو فردِ واحد کی بادشاہت کی شکل میں قابلِ قبول ہے نہ کسی قوم کی دوسری قوم پر حاکمیت کی شکل میں' جیسے انگریز ہم پر حکمران ہو گیا تھا۔ اور نہ ہی عوام کی حاکمیت جائز ہے۔ حاکمیت (Sovereignty) کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور انسان کے لئے خلافت ہے۔ حاکمیت کی دوسری تمام صورتیں شرک ہیں اور دورِ حاضر میں حاکمیت جمہوری(Popular Sovereignty) کا تصور بدترین شرک ہے۔ شارع (قانون ساز) صرف اللہ تعالیٰ ہے اور رسولؐ اس کے نمائندے ہیں۔ اب بتائیے اس سے بڑا کوئی انقلابی نعرہ ہو گا؟

۲) ملکیت کی بجائے امانت

توحید کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ ہر شے کا مالک حقیقی اللہ ہے۔ یہ انقلابی نعرہ سیاسی نظام کی جڑوں پر تیشے کی طرح گرتا ہے۔ کوئی شخص کسی شے کا مالک نہیں ہے' نہ انفرادی طور پر نہ قومی طور پر۔ اس طرح سرمایہ داری کی بھی نفی ہو گئی اور کمیونزم کی بھی۔ مالک صرف وہ ہے: ﴿لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ﴾ ''اسی کا ہے

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے''۔ ہر شے کا مالک وہی ہے اور انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ امانت ہے ۔

ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست

در حقیقت مالکِ ہر شے خدا ست!

میں اپنے جسم کا بھی مالک نہیں ہوں' میرا یہ جسم بھی اللہ کی ملکیت ہے' انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ہاتھ پاؤں' یہ آنکھیں' یہ دماغ سب کچھ میرے پاس اللہ کی امانت ہے۔ اُس نے مجھے کوئی گھر دے دیا ہے تو وہ بھی اس کی امانت ہے' اولاد دی ہے تو وہ بھی اُسی کی امانت ہے۔ چنانچہ ملکیت تامہ اسی کے لئے ہے۔ ہم مالک و مختار نہیں ہیں کہ جو چاہیں کرتے پھریں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ ''اے شعیبؑ! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے؟ اور یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟'' سرمایہ دار کا موقف یہ ہوتا ہے کہ یہ میرا مال ہے' میں اسے جیسے چاہوں تصرف میں لاؤں' خواہ اس سے سودی کاروبار کروں یا کسی کو سود پر قرضہ دوں۔ اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو سرمائے کا مالک سمجھتا ہے۔ اگر آپ اپنے آپ کو امین سمجھیں گے تو آپ کا نقطۂ نظر یکسر مختلف ہوگا۔ پھر آپ اپنا ہاتھ بھی وہیں استعمال کریں گے جہاں اللہ کی اجازت ہے۔ آپ اپنے پاؤں سے بھی اسی راستے پر چلنا چاہیں گے جس پر اللہ چاہتا ہے کہ آپ چلیں۔ آپ کا مال وہیں خرچ ہوگا جہاں اللہ چاہتا ہے کہ آپ خرچ کریں۔

۳) کامل معاشرتی مساوات

سماجی سطح پر توحید کا تقاضا یہ ہے کہ بنیادی طور پر' پیدائشی طور پر تمام انسان

برابر ہیں، کوئی اونچا نہیں، کوئی نیچا نہیں۔ اس ضمن میں ایچ جی ویلز کی گواہی آپ کو بتا چکا ہوں کہ "انسانی اخوت، مساوات اور حریت کے وعظ تو پہلے بھی بہت کہے گئے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ تاریخِ انسانی میں پہلی بار ان بنیادوں پر ایک معاشرہ قائم کیا ہے محمد (ﷺ) نے"۔ اسلامی معاشرے میں اگر کوئی اونچ نیچ ہے تو وہ ان کمالات کی بنیاد پر ہے جو آپ نے از خود حاصل کئے ہیں۔ آپ نے علم حاصل کیا تو آپ اونچے ہو گئے، آپ کی عزت کی جائے گی۔ آپ نے تقویٰ کی روش اختیار کی، روحانی مقام حاصل کیا، اب آپ کی عزت کی جائے گی۔ ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ "اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے بڑھ کر متقی ہو"۔ پیدائشی طور پر تمام انسان برابر ہیں۔ شودر ہو یا برہمن، کالا ہو یا گورا، مرد ہو یا عورت، کوئی فرق نہیں۔ مرد اور عورت کے درمیان فرق انتظامی اعتبار سے ہے۔ جیسے کسی محکمے میں ایک انچارج اور ایک باہر کھڑے ہوئے قاصد میں بحیثیت انسان بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں، لیکن منصب کے اعتبار سے سربراہ شعبہ کا منصب اونچا ہے، قاصد کا نیچا ہے۔ یہ انتظامی معاملہ ہے۔

ہمارے ہاں پٹھانوں میں بالعموم یہ مساوات نظر آتی ہے کہ سب ایک سا لباس پہنتے ہیں۔ بڑے سے بڑا زمیندار ہو یا اس کا ملازم ہو، دونوں کا لباس ایک ہی طرح کا ہو گا، اور یہ کہ کھانا بھی دونوں ساتھ بیٹھ کر کھائیں گے۔ میں نے سنا ہے کہ عربوں کے ہاں بھی یہ مساوات قائم ہے اور لنچ ٹائم پر ایک منسٹر کا بوّاب (دربان) اور سوّاق (ڈرائیور) اس کے ساتھ ایک میز پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ مرد اور عورت میں بھی بحیثیت انسان کوئی فرق نہیں، صرف انتظامی اعتبار سے فرق ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ (النساء: ۳۴) "مرد عورتوں پر قوام ہیں"۔ یعنی مرد کو خاندان کے ادارے کے

سربراہ کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد افضل ہے اور عورت کمتر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی عورت اپنے اخلاق اور کردار کے اعتبار سے کروڑوں مردوں سے اوپر چلی جائے۔ کتنے مرد ہوں گے جو حضرت مریم ' حضرت آسیہ' حضرت خدیجہ' حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہن اجمعین) کے مقام کو اس طرح دیکھیں گے جیسے آپ آسمان کو دیکھتے ہیں۔ تو نظریۂ توحید کے یہ تین نتیجے ہیں جو سیاسی سطح پر' معاشی سطح پر اور سماجی سطح پر نکلتے ہیں حاکمیتِ مطلقہ اللہ کے لئے' ملکیتِ مطلقہ اللہ کے لئے اور کامل مساوات انسانی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس نظریۂ توحید کی تبلیغ مکہ کی گلیوں میں گھوم پھر کر کی۔ آپؐ نے لوگوں کو پکارا: یَا اَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوا ''اے لوگو! کہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' تم کامیاب ہو جاؤ گے''۔ ابتدائی دعوت میں ابھی آپؐ نے اپنی رسالت کا ذکر شامل نہیں کیا' پورے کا پورا زور (emphasis) توحید پر ہی رکھا۔ اس انقلابی نظریئے کی دعوت و اشاعت میں آپؐ نے اُس وقت کے جو بھی ذرائع میسر تھے' انہیں استعمال کیا۔ آپؐ نے گھر گھر جا کر دعوتِ توحید پیش کی۔ پھر دو مرتبہ اپنے خاندان والوں (بنو ہاشم) کو کھانے پر بلا کر دعوت پیش کی۔ ایک مرتبہ تو لوگوں نے بات سنی ہی نہیں' شور مچا دیا۔ دوسری مرتبہ بات سن لی لیکن سب کے سب خاموش بیٹھے رہے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ حاضرین میں سے صرف حضرت علی ؓ کھڑے ہوئے جو پہلے ہی ایمان لا چکے تھے۔ انہوں نے کہا اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں' اگرچہ میں سب سے چھوٹا ہوں' اگرچہ میری آنکھیں بھی دکھتی ہیں' لیکن میں آپؐ کا ساتھ دوں گا۔ اور اس پر سارا مجمع کھل کھلا کر ہنس پڑا کہ یہ چلے ہیں انقلاب لانے کے لئے اور یہ ان کے ساتھی ہیں۔ پھر آپ ﷺ کو حکم ہوا: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ﴾ (الحجر:۹۴) ''اے نبیؐ! جس چیز کا آپ کو حکم ہوا ہے اسے ڈنکے کی چوٹ بیان کیجئے اور مشرکین کی ذرا

پروانہ کیجئے''۔ چنانچہ آپ ﷺ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر واصباحا کا نعرہ لگایا۔ پھر عکاظ اور دوسرے میلوں میں جا کر دعوت دی۔ حج کے اجتماعات میں لوگوں کے سامنے دعوت رکھی۔ الغرض جو طریقہ بھی ممکن تھا اسے استعمال کیا۔ اُس وقت نہ تو لاؤڈ سپیکر تھا نہ کوئی ٹیلی ویژن تھا۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا بھی نہیں تھے۔ نہ کوئی چھاپہ خانہ تھا' نہ کتابیں نہ رسالے نہ اخبار! لیکن جو بھی میسر ذرائع اور وسائل تھے انہیں آپ ؐ نے استعمال کیا۔

اسلامی انقلابی تنظیم اور اس کی اساسات

جو لوگ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے' انہیں آپ ؐ نے منظّم کیا اور ان کی تربیت کی۔ اس تنظیم کی سب سے پہلی بنیاد یہ تھی کہ جن لوگوں نے مان لیا کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں' آپ ﷺ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اللہ کی جانب سے کہہ رہے ہیں' یہ آپ ؐ پر وحی آئی ہے تو پھر ان کے لئے آپ ﷺ کے حکم سے سرتابی کیسے ممکن ہے؟ کیا نبی کی بات سے بھی اختلاف کیا جا سکتا ہے؟ اس سے زیادہ مضبوط جماعت کا آپ تصور نہیں کر سکتے جو نبوت کی بنیاد پر قائم ہو۔ آج کی دنیا میں بھی آپ کو مثال ملے گی کہ سچی نبوت تو تنظیم کی بہت بڑی بنیاد ہے ہی' جھوٹی نبوت بھی بہت بڑی بنیاد ہے۔ غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کی بنیاد پر جو جماعت چل رہی ہے ذرا اس کا اندازہ کیجئے کہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ اور ان کا لاہوری فرقہ' جس نے غلام احمد قادیانی کو نبی نہیں مانا' وہ منتشر ہو کر ختم ہو گیا۔ تو مضبوط ترین جماعت جو دنیا میں ہو سکتی ہے وہ نبوت کے دعویٰ کی بنیاد پر ممکن ہے۔ چنانچہ محمد رسول اللہ ﷺ کی سچی نبوت اور آخری نبوت کی بنیاد پر جو جماعت بنی وہ دنیا کی مضبوط ترین جماعت تھی' جس کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ ''اللہ کے رسول محمدؐ اور وہ لوگ جو ان

کے ساتھ ہیں۔" اس جماعت میں کسی نے رسول اللہ ﷺ کو جماعت کا صدر منتخب نہیں کیا تھا بلکہ آپ ﷺ نبی ہونے کی حیثیت سے اور داعی ہونے کی حیثیت سے خود بخود امیر تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھی "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" (ہم نے سنا اور مانا) کے اصول پر کار بند تھے۔ البتہ حضور ﷺ نے مستقبل کے لئے ایک مثال قائم کرنے کے لئے کہ آئندہ اگر اسی انقلابی جدوجہد کا مسلمانوں نے آغاز کیا تو اس کے لئے جماعت کیسے بنے گی، بیعت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ملاحظہ کیجئے جو بخاری اور مسلم دونوں کی روایت ہے اور سند کے اعتبار سے اس سے زیادہ صحیح حدیث ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ "ہم نے بیعت کی اللہ کے رسول ﷺ سے"۔ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ "اس بات پر کہ آپ کا ہر حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے" فِى الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ "تنگی اور سختی میں بھی اور آسانی میں بھی" وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ "طبیعت کی آمادگی کی صورت میں بھی اور طبیعت پر جبر کرنا پڑا تب بھی"۔ وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا "اور چاہے آپ دوسروں کو ہم پر ترجیح دے دیں"۔ ہم یہ نہیں کہیں گے کہ آپ نے ایک نو وارد نوجوان کو ہم پر امیر کیوں بنا دیا؟ ہم آپ کے پرانے خدمت گار اور جان نثار ساتھی ہیں، ہم پر اس نوجوان کو کیوں امیر بنا دیا؟ آپ کا اختیار ہوگا جو چاہیں کریں۔ وَعَلٰى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ "اور جس کو بھی آپ امیر بنا دیں گے اس سے جھگڑیں گے نہیں"۔ وَعَلٰى اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِى اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ "اور یہ کہ ہم حق بات ضرور کہیں گے جہاں کہیں بھی ہوں، اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہیں کریں گے"۔ ہماری جو رائے ہوگی، ہمارے نزدیک جو بات حق ہوگی وہ ضرور کہہ دیں گے۔ اس لئے زبانیں بند نہیں کریں گے کہ لوگ کہیں گے کہ لو جی انہوں نے کیا کہہ دیا۔ یہ ہے آرگنائزیشن کی دوسری بنیاد۔

آپ بھی تجزیہ کر لیجئے کہ کیا حضور ﷺ کو اس کی ضرورت تھی؟ کیا آپؐ پر ایمان لانا ہی کافی نہیں تھا کہ آپؐ کی ہر بات ماننی ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (النساء: ٦٤) ''ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔'' اس کے باوجود آنحضور ﷺ نے بیعت لی تو یہ دراصل آئندہ کے لئے رہنمائی کے لئے تھی!

غزوۂ بدر سے پہلے حضور ﷺ نے ایک مجلسِ مشاورت منعقد کی تھی کہ قریش کا ایک قافلہ شمال سے مالِ تجارت سے لدا پھندا آ رہا ہے جس کے ساتھ صرف چالیس یا پچاس محافظ ہیں' جبکہ کیل کانٹے سے لیس ایک مسلح لشکر جنوب سے آ رہا ہے اور اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ ان دو میں سے ایک پر تمہیں ضرور فتح عطا فرمادے گا۔ بتاؤ' کدھر چلیں؟ کچھ ہم جیسے کمزور لوگ بھی موجود تھے' انہوں نے کہا کہ حضور! قافلے کی طرف چلیں' تھوڑے سے آدمی ہیں' ان پر ہم آسانی سے قابو پالیں گے' مالِ غنیمت بہت ہاتھ آجائے گا' اور ہتھیار بھی ملیں گے' جن کی ہمیں اشد ضرورت ہے۔ لیکن حضور ﷺ مزید مشورہ طلب فرماتے رہے۔ تب صحابہ کرام ؓ نے اندازہ کیا کہ حضور ﷺ کا اپنا رجحانِ طبع کچھ اور ہے۔ چنانچہ اس مرحلے پر پہلے مہاجرین نے تقریریں کیں کہ حضورؐ! آپؐ ہم سے کیا پوچھتے ہیں' جو آپؐ کا حکم ہو ہم حاضر ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ نے تقریریں کیں' لیکن حضور ﷺ نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے حضور ﷺ کسی خاص بات کے منتظر ہیں۔ مہاجرین میں سے ہی حضرت مقداد بن اسود ؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ ''حضورؐ جو آپ کا ارادہ ہو بسم اللہ کیجئے' ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں پر قیاس نہ کیجئے جنہوں نے اپنے نبیؑ سے یہ کہہ دیا تھا کہ ''اے موسیٰؑ آپ اور آپ کا رب دونوں جائیں اور جا کر جنگ کریں' ہم تو یہاں بیٹھے ہیں''۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ

آپؐ کو ہمارے ذریعے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما دے۔ لیکن حضور ﷺ اب بھی انتظار کی کیفیت میں تھے۔

اب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو خیال آیا کہ رسول اللہ ﷺ کا روئے سخن دراصل انصار کی جانب ہے۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں طے یہ ہوا تھا کہ اگر قریش آپ ﷺ کا پیچھا کرتے ہوئے مدینے پر حملہ آور ہوئے تو ہم آپؐ کی اس طرح حفاظت کریں گے جیسے اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں۔ لیکن صورتِ واقعہ یہ تھی کہ قریش نے مدینے پر حملہ نہیں کیا تھا اور حضور ﷺ خود باہر نکل کر تصادم کا آغاز کر چکے تھے' لہٰذا انصار اس معاہدے کی رو سے مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کے پابند نہیں تھے۔ حضرت سعدؓ کو فوراً خیال آ گیا کہ ہو نہ ہو حضور ﷺ ہماری تائید کے منتظر ہیں۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! معلوم ہوتا ہے آپؐ کا روئے سخن ہماری جانب ہے۔ اب دیکھئے کس قدر عمدہ جملہ کہا: فَاِنَّا اٰمَنَّا بِكَ وَصَدَّقْنَاكَ یعنی حضور! ہم آپؐ پر ایمان لا چکے ہیں اور ہم نے آپؐ کی تصدیق کی ہے۔ ہم نے آپؐ کو اللہ کا نبی اور رسول مانا ہے۔ اب ہمارا اختیار کہاں رہا؟ آپؐ جو بھی حکم دیں گے' سر آنکھوں پر! آپؐ ہمیں جہاں بھی لے جانا ہو لے چلئے۔ خدا کی قسم' اگر آپؐ ہمیں اپنی سواریاں سمندر میں ڈالنے کا حکم دیں گے تو ہم ڈال دیں گے......!

تو حضور ﷺ کو کسی کی بیعت کی ضرورت نہیں تھی' آپ ﷺ تو اللہ کے نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے مطاع تھے ـــــ لیکن اس کے باوجود آپؐ نے بیعت کیوں لی؟ اس لئے کہ آئندہ کوئی مسلمان جماعت بنانے کے لئے انگریزوں سے' روسیوں سے یا جرمنوں سے کوئی طریقہ مستعار نہ لیتا پھرے' بلکہ جماعت بنانے کے لئے وہ بنیاد اختیار کرے جو میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

انقلابی تربیت کا نبویؐ منہاج

تربیت کے لئے میں نے چار عنوانات مقرر کئے تھے۔ اولاً یہ کہ انقلابی فکر مستحضر رہے۔ رسول اللہ ﷺ کے انقلابی فکر کا منبع و سرچشمہ قرآن تھا اور اس منہج پر اب جو بھی دعوت اٹھے گی اس کا منبع و سرچشمہ بھی یہی قرآن ہوگا کہ اسے پڑھتے رہو تاکہ تمہارا فکر تازہ رہے۔ اس کے لئے اجتماعی مذاکرہ بھی کرو۔ مل کر بیٹھو اور قرآن پڑھو، سیکھو اور سکھاؤ۔ اسی سے تمہارا فکر ترو تازہ رہے گا۔

ثانیاً سمع و طاعت ــــــ جس کا سب سے بڑا امتحان یہی تھا کہ چاہے تمہارے ٹکڑے کر دیئے جائیں تم نے ہاتھ نہیں اٹھانا۔ دیکھئے ایک شخص کو جب یہ معلوم ہو کہ یہ مجھے مار دیں گے تو وہ desperate ہو کر دو چار کو مار کر ہی مرے گا۔ بلی کو اگر آپ کارنر (Corner) کر لیں اور اسے اندازہ ہو جائے کہ اب میرے لئے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے تو وہ سیدھی آپ کی آنکھوں پر جھپٹے گی۔ لیکن یہاں اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ حضرت خبابؓ بن ارتؓ کے سامنے دہکتے ہوئے انگارے بچھائے گئے، اور ان سے کہا گیا کہ کُرتا اُتار کر ان پر لیٹ جاؤ۔ آپؓ لیٹ گئے۔ پیٹھ کی کھال جلی، چربی پگھلی تو اس سے وہ انگارے ٹھنڈے ہوئے۔ جسے یہ نظر آ رہا ہو کہ یہ مجھے انگاروں پر بھوننے والے ہیں، زندہ کے کباب بنانے والے ہیں، وہ دو چار کو مار کر ہی مرتا ہے، یا کم از کم اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنے کی کوئی کوشش کرتا ہے، لیکن یہاں اس کی اجازت نہیں تھی۔ میرے نزدیک سمع و طاعت کا اس سے بڑا کوئی مظہر ممکن ہی نہیں۔

ثالثاً ــــــ اپنی جان، مال، تن، من، دھن، اولاد، غرض ہر شے اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔ ویسے تو دنیاوی انقلابات میں بھی لوگوں نے یہ سب کام کئے ہیں۔ کمیونسٹ انقلاب نہیں آ سکتا تھا جب تک کہ لوگ جانیں نہ دیتے اور لوگوں نے

ساری سختیاں نہ جھیلی ہوتیں۔ لیکن مسلمان کے لئے اپنی جان اللہ کی راہ میں پیش کرنا اتنا آسان ہے کہ دوسروں کو اُس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اس کا ایمان آخرت پر ہے اور اُس کے نزدیک اصل زندگی آخرت کی ہے۔ لہٰذا وہ اگر اپنا سب کچھ اللہ کی خاطر لگا دے، کھپا دے تو اسے گھاٹا کس اعتبار سے ہے؟ وہ تو سوچتا ہے کہ مجھے آخرت میں اس کا کئی گنا مل جائے گا، سات سو گنا مل جائے گا، ہزار گنا مل جائے گا، تو اس معاملے میں میرا کوئی نقصان نہیں ہے۔ آدمی کو آخرت پر جتنا یقین ہو گا اتنا ہی آدمی اپنے آپ کو invest کر دے گا۔ میں اپنی جمع پونجی بینک میں بچا کر رکھوں تو مجھ سے زیادہ پاگل کون ہو گا؟ یہ مجھے زیادہ سے زیادہ دس یا پندرہ فیصد منافع دے دیں گے، لیکن اللہ کا بینک کھلا ہوا ہے جو سات سو گنا دیتا ہے۔ تو یہاں بچا بچا کر رکھنا یقیناً بے وقوفی ہے۔ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا تھا: زمین پر جمع نہ کرو، یہاں کیڑا بھی خراب کرتا رہتا ہے، چوری بھی ہوتی ہے، ڈاکہ بھی پڑتا ہے۔ آسمان پر جمع کرو، جہاں نہ کیڑا خراب کر سکے، جہاں چوری نہیں، ڈاکہ نہیں، اور میں تم سے سچ کہتا ہوں جہاں تمہارا مال ہو گا وہیں تمہارا دل بھی ہو گا''۔ تم نے مال اگر یہاں جمع کیا تو دل یہیں اٹکا رہے گا۔ جب فرشتے جان نکالنے کے لئے آئیں گے تو سوائے حسرت و افسوس کے کچھ نہ کر سکو گے۔ حدیث میں آیا ہے کہ فرشتے ایسے جان نکالیں گے جیسے گرم سلاخ کے اوپر سے کباب کھینچا جاتا ہے۔ اگر آپ کی جمع پونجی اللہ کے بینک میں جمع ہے تو آپ کا دل بھی وہیں اٹکا ہو گا۔ فرشتہ آئے گا تو آپ کے لبوں پر مسکراہٹ ہو گی۔

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم   چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست!

اگر آپ نے کروڑوں روپیہ سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں جمع کر رکھا ہو اور آپ سے کہا جائے کہ ''نکل جاؤ ملک سے'' تو آپ کو کوئی افسوس ہو گا؟ لیکن اگر ملک سے باہر آپ کا کچھ نہیں، نہ کوئی جاننے والا ہے، تب کہا جائے نکل جاؤ تو آپ کو یقیناً

تشویش ہوگی۔ یہ دراصل عقیدۂ آخرت ہی ہے جو آج دنیا کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جانیں دینے کے لئے اس طرح آمادہ ہیں۔ انہوں نے فلسطین، کشمیر، چیچنیا اور افغانستان میں مسلمانوں کا یہ جذبہ دیکھ لیا ہے۔ یہ سب عقیدۂ آخرت پر یقین کی علامتیں ہیں۔

ایک زمانے میں جب مولانا مودودی مرحوم کو سزائے موت ہوئی تھی میں اُس وقت اسلامی جمعیت طلبہ کا ناظم اعلیٰ تھا۔ میں نے ''عزم'' کے ٹائٹل پر یہ نظم شائع کی تھی اور پھر جیل میں مولانا کو بھیجی تھی ۔

وہ وقت آیا کہ ہم کو قدرت ہماری سعی و عمل کا پھل دے
بتا رہی ہے یہ ظلمتِ شب کہ صبح نزدیک آ رہی ہے
ابھی ہیں کچھ امتحان باقی ' فلاکتوں کے نشان باقی
قدم نہ پیچھے ہٹیں کہ قسمت ابھی ہمیں آزما رہی ہے
سیاہیوں سے حزیں نہ ہونا' غموں سے اندوہ گیں نہ ہونا
انہی کے پردے میں زندگی کی نئی سحر جگمگا رہی ہے
رئیسؔ اہلِ نظر سے کہہ دو کہ آزمائش سے جی نہ ہاریں
جسے سمجھتے تھے آزمائش وہی تو بگڑی بنا رہی ہے!

یہ رئیسؔ امروہوی کے اشعار تھے۔ میں نے رئیس کی اضافت کے ساتھ یہ اشعار ''رئیسِ اہلِ نظر'' کی خدمت میں پیش کئے۔

نبی اکرم ﷺ کے انقلاب میں روحانی تربیت کو بھی انتہائی اہمیت دی گئی۔ روحانیت پیدا کرنے کے سب سے بڑے ذریعے قرآن حکیم کو دلوں میں اتارا گیا' اس سے سینوں کو منور کیا گیا' اور اس کے ساتھ ساتھ نفس کے تقاضوں کی مخالفت کرائی گئی۔ نیند بہت عزیز ہے' اللہ کی راہ میں جاگتے رہنے کی ترغیب دلائی گئی اور تہجد میں قرآن کو اپنے اندر اتارنے کا حکم دیا گیا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝﴾ (المزمل)

''اے اوڑھ لپیٹ کر سونے والے! رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم' آدھی رات' یا اس سے کچھ کم کرلو' یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو' اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔ درحقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لئے اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لئے زیادہ موزوں ہے۔''

قرآن تو ویسے ہی نور ہے' یہ دلوں کی تاریکیاں دور کر کے انہیں منور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے' اور رات کا جاگنا نفس کو کچلنے میں بہت مؤثر ہے۔ تزکیہ نفس کے لئے جس تیسری شے کی ترغیب دی گئی ہے وہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے۔ تو یہ ہے نظام محمد رسول اللہ ﷺ کی انقلابی تربیت کا۔ ہمارے ہاں بعد میں جو بھی خانقاہی نظام وجود میں آیا اس میں تربیت اور تزکیہ کے اسلوب اور انداز اپنے ہیں۔ ان کے مراقبے' ان کے چلے اور ذکر کے طریقے اپنے ہیں۔ میں اس نظام کی بات نہیں کر رہا' سلوکِ محمدیؐ کی بات کر رہا ہوں۔ وہ انقلابی تربیت جو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کی فرمائی اس کے عناصرِ ترکیبی میں نے بیان کر دیئے ہیں۔

آنحضور ﷺ کی انقلابی جدوجہد میں صبر محض کا مرحلہ

میں نے عرض کیا تھا کہ صبر محض (Passive Resistance) کی ابتدا داعی کی کردار کشی سے ہوتی ہے کہ اس کی قوتِ ارادی کو ختم کر دیا جائے۔ تین سال تک تنہا حضور ﷺ اس ایذا رسانی کا ہدف بنے رہے ہیں۔ اور یہ زبانی ہوتی رہی کہ پاگل ہو گئے ہیں' مجنون ہو گئے ہیں۔ ہم انہیں کہتے تھے مت جایا کرو غارِ

حرا میں اور وہاں کئی کئی دن نہ رہا کرو، وہاں پر کوئی نہ کوئی آسیب سوار ہو گیا ہے' ان پر کوئی جن آ گیا ہے۔ کبھی کہا جاتا کہ انہوں نے شاعری شروع کر دی ہے' یا یہ کہ یہ ساحر بن گئے ہیں یا مسحور ہو گئے ہیں۔ یہ تمام تر آنحضورﷺ کی کردار کشی (Character Assassination) اور آپؐ کی قوتِ ارادی کو مجروح کرنے کی کوششیں تھیں ـــــ اور یہ مت سمجھئے کہ اس سے حضورﷺ کو رنج نہیں ہوتا تھا۔ قرآن کی گواہی ہے: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ (الحجر:۹۶) ''اے نبیؐ ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ کہہ رہے ہیں ان سے آپ کا سینہ بھنچتا ہے''۔ ان سے آپؐ کو صدمہ ہوتا ہے' آپؐ کو اپنے سینے میں گھٹن محسوس ہوتی ہے کہ یہی ہیں جو مجھے الصادق اور الامین کہا کرتے تھے' آج یہ مجھے ساحر اور کذاب کہہ رہے ہیں۔ مجھ پر جھوٹ کا الزام لگا رہے ہیں۔ مجھ پر دھوکے کا الزام لگا رہے ہیں کہ کسی سے ڈکٹیشن لے کر ہم پر دھونس جماتا ہے کہ یہ مجھ پر اللہ کی وحی آ گئی ہے۔ لیکن اس کیفیت میں آپﷺ کے لئے حکم یہ تھا کہ ﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا﴾ (المزمل) ''جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کیجئے اور بھلے طریقے سے ان کو چھوڑ دیجئے''۔ خوبصورتی کے ساتھ اپنا رخ موڑ لیجئے اور ان کو چھوڑ یئے' کسی اور سے بات کیجئے۔ لیکن علیحدگی لٹھ مار کر نہ ہو۔ ہوسکتا ہے جو شخص آج بات نہیں سن رہا' کل سننے پر آمادہ ہو جائے۔

تین سال کے بعد مشرکین کو محسوس ہوا کہ یہ تو چٹان کی طرح کھڑے ہیں اور دو باتیں بہت خطرناک ہو گئی ہیں۔ ایک تو ہماری نوجوان نسل ان کے گرد جمع ہو گئی ہے۔ یہ بنوامیہ کا چشم و چراغ عثمان ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گیا ہے۔ یہ مصعب بن عمیر اور سعد بن ابی وقاص جیسے نوجوان ان کے گرد جمع ہو گئے ہیں' اور اس سے بھی بڑھ کر خطرناک معاملہ یہ کہ ہمارے غلام ان پر ایمان لے آئے ہیں۔ یہ تو ایسا معاملہ ہے جیسے کہیں پر بارود کا سٹور ہو اور وہاں پر چنگاری اڑ کر

جا رہی ہو۔ ہمارے غلام اگر کہیں ہمارے خلاف کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ہم سے ہمارے مظالم کے بدلے چکانے شروع کئے تو کس بھاؤ بکے گی؟ لہٰذا اب جسمانی تشدد و تعذیب (Physical Persecution) کا آغاز ہو گیا کہ انہیں مارو' انہیں بدترین جسمانی سزائیں دو' ان کو گھروں میں بند کر دو اور زنجیروں میں جکڑ کر رکھو۔ کھانے کو کچھ مت دو' بھوکا رکھو۔ غلام ہے تو بری طرح مارو' پیٹو' گلیوں میں گھسیٹو۔ حضرت سمیہ اور حضرت یاسر (رضی اللہ عنہما) کو ابوجہل نے بدترین اور شرمناک ترین تشدد کر کے شہید کیا۔ جوان بیٹے' عمار بن یاسر کو ستون سے باندھا اور ان کے سامنے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو برہنہ کر کے تشدد کا نشانہ بنایا۔ مار مار کر تھک گیا تو کہا ایک دفعہ کہہ دو کہ ''تمہارا معبود بھی سچا ہے'' میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ انہوں نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ پھر اس نے شرمگاہ کے اندر برچھا مارا جو جسم کے آر پار ہو گیا۔ حضرت یاسر ﷛ کے جسم کو چار وحشی اونٹوں کے ساتھ باندھ کر ان کو چار مخالف سمتوں میں دوڑایا گیا تو ان کے جسم کے پرخچے اڑ گئے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا حکم یہ تھا کہ کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ ابھی اپنے ہاتھ بندھے رکھو! اس کا فلسفہ میں بیان کر چکا ہوں کہ مسلمان اُس وقت تعداد میں بہت قلیل تھے۔ اگر اس وقت وہ کوئی جوابی کارروائی کرتے تو انہیں کچل کر رکھ دیا جاتا۔ جبکہ انہیں ایک قوت بننے کے لئے مہلتِ عمل درکار تھی۔ دوسرے یہ کہ تشدد کا یکطرفہ نشانہ بننے سے انہیں عوام کی ہمدردیاں حاصل ہو رہی تھیں۔ حضرت بلال ﷛ کی گردن میں رسی ڈال کر ان کا آقا چھوکروں کے ہاتھ میں تھما دیتا کہ اسے کھینچو۔ جیسے ان دنوں عراق کی ابوغریب جیل میں قیدیوں پر تشدد کی تصویریں شائع ہوئی ہیں کہ قیدیوں کو برہنہ کر کے گلے میں رسی ڈال کر انہیں زمین پر گھسیٹا جا رہا ہے' حضرت بلالؓ کے ساتھ یہ معاملہ مکہ کی گلیوں کے اندر ہوا۔ انہیں نوکیلے پتھروں والی زمین پر اس طرح گھسیٹا جاتا جیسے مردہ جانور کی لاش گھسیٹی جاتی ہے۔ لوگ

اس منظر کو دیکھتے اور سوچتے کہ بلال کے ساتھ یہ سلوک کیوں ہو رہا ہے؟ کیا اس نے چوری کی ہے یا آقا کی بیٹی کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے؟ وہ جانتے تھے کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ بلالؓ کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ عوام کی ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ بڑھ رہی تھیں۔

ایک بات نوٹ کر لیجئے کہ دس نبوی تک حضور ﷺ پر کسی نے دست درازی نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ﷺ کو اپنے خاندان بنو ہاشم کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اگرچہ بنو ہاشم سب ایمان نہیں لائے تھے' بلکہ ان میں ابولہب جیسے بدترین دشمن بھی تھے' لیکن بنو ہاشم کے سردار ابوطالب تھے اور وہ حضور ﷺ کو تحفظ فراہم کر رہے تھے۔ قبائلی نظام میں قبیلے کا سردار جس کسی کو تحفظ دے دیتا' پورا قبیلہ اس کے پیچھے ہوتا۔ لہٰذا اگر شعب بنی ہاشم میں تین سال کی نظر بندی ہوئی ہے تو پورا خاندانِ بنی ہاشم اس میں شریک تھا' صرف مسلمان محصور نہیں تھے۔ ابوطالب سے کفارِ مکہ کا مطالبہ تھا کہ وہ محمد (ﷺ) کی پشت پناہی چھوڑ دیں تاکہ ہم ان سے نمٹ سکیں' لیکن انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ سن ۱۰ نبوی میں ابوطالب کا انتقال ہو گیا' اسی سال حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہو گیا۔ حضور ﷺ جب باہر سے تھکے ہوئے گھر آتے' طبیعت میں انقباض ہوتا کہ آج فلاں شخص نے پاگل کہہ دیا' فلاں نے ساحر کہہ دیا' تو گھر میں ایک دلجوئی کرنے والی وفا شعار شریکۂ حیات تو موجود تھی' وہ بھی اللہ نے اٹھا لی۔ ابوطالب خاندانی طور پر ساتھ دے رہے تھے' ان کا سایہ بھی اٹھ گیا۔ اس سال کو آپ ﷺ نے ''عام الحزن'' کا نام دیا کہ یہ ہمارے لئے غم کا سال ہے۔ ابوطالب کے انتقال سے آپ ﷺ کو جو خاندانی تحفظ حاصل تھا وہ ختم ہو گیا۔ لہٰذا اب دارالندوہ میں فیصلہ ہو گیا کہ محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا جائے۔ مشورہ یہ ہوا کہ کوئی ایک آدمی

قتل نہ کرے' ورنہ اس کے خلاف پورا خاندانِ بنو ہاشم کھڑا ہو جائے گا' بلکہ اس مقصد کے لئے تمام قبیلوں سے نوجوانوں کو چنا جائے جو بیک وقت جا کر حملہ کریں تاکہ یہ معلوم کرنا مشکل ہو جائے کہ کس نے قتل کیا ہے۔ مکہ کی سرزمین تنگ ہوتی نظر آئی تو آپ ﷺ نے طائف کا سفر اختیار کیا کہ شاید وہاں کوئی امیر یا کوئی سردار ایمان لے آئے تو میں اپنا مرکز وہاں شفٹ کر دوں۔ وہاں حضور ﷺ کے ساتھ تین دنوں میں جو کچھ بیتی' وہ مکہ میں دس سال میں نہیں بیتی تھی۔ آپ ﷺ پر پتھراؤ ہوا' شدید ترین تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور جسمِ اطہر خون سے لہولہان ہوا۔ اس موقع پر آپؐ کے قلب کی گہرائیوں سے جو فریاد نکلی ہے اسے نقل کرتے ہوئے بھی کلیجہ شق ہوتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِلَیْكَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ

''اے اللہ! کہاں جاؤں' کہاں فریاد کروں' تیری ہی جناب میں فریاد لے کر آیا ہوں' اپنی قوت کی کمی اور اپنے وسائل و ذرائع کی کمی کی اور لوگوں میں جو رسوائی ہو رہی ہے' اس کی۔''

اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ؟ اِلٰی بَعِیْدٍ یَّتَجَھَّمُنِیْ اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ؟

''اے اللہ! تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا تو نے میرا معاملہ دشمنوں کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ جو چاہیں میرے ساتھ کر گزریں؟''

اِنْ لَّمْ یَکُنْ عَلَیَّ غَضَبُكَ فَلَا اُبَالِیْ!

''پروردگار! اگر تیری رضا یہی ہے اور اگر تو ناراض نہیں ہے تو پھر میں بھی راضی ہوں' مجھے اس تشدد کی کوئی پروا نہیں ہے۔''

اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمٰتُ

''اے ربّ! میں تیرے روئے انور کی ضیاء کی پناہ میں آتا ہوں جس سے ظلمات منور ہو جاتے ہیں۔''

اس سے گہری کوئی فریاد ہو سکتی ہے؟ لیکن دیکھئے' حضور ﷺ کی دو نسبتیں ہیں' مقامِ عبدیت اور مقامِ رسالت۔ (وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ) یہاں وہ نسبتِ عبدیت غالب آ رہی ہے: (اِنْ لَمْ یَکُنْ عَلَیَّ غَضَبُكَ فَلَا اُبَالِیْ) ''پروردگار اگر تو ناراض نہیں ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں!'' سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے!!

انقلابِ نبویؐ میں اقدام اور چیلنج کا مرحلہ

اگلا مرحلہ اقدام (Active Resistance) کا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ اس مرحلے میں قدم رکھنے کا فیصلہ نہایت نازک ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کے معاملے میں اس مرحلے میں داخل ہونے کا فیصلہ اللہ کی طرف سے تھا لہٰذا غلطی کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ لیکن آئندہ جو بھی تحریک ہو گی اس کی قیادت یہ فیصلہ کرے گی اور اس میں غلطی کا امکان موجود رہے گا۔ نیک نیتی کے ساتھ غلطی کی صورت میں دنیا میں ناکامی کے باوجود آخرت کی کامیابی یقینی ہے۔ تحریک شہیدینؒ انیسویں صدی کی سب سے بڑی انقلابی تحریک تھی۔ اس تحریک میں سید احمد بریلویؒ سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے قبل از وقت (pre-mature) قدم اٹھا لیا اور پٹھانوں کے علاقے میں جا کر فوراً شریعت نافذ کر دی۔ انہوں نے اپنی ہجرت کو رسول اللہ ﷺ کی ہجرت پر قیاس کرتے ہوئے یہ سمجھا کہ جیسے ہجرت کے بعد حضور ﷺ نے شریعت نافذ کر دی تھی اسی طرح میں رائے بریلی سے چل کر ہجرت کر کے یہاں آ گیا ہوں لہٰذا شریعت کا نفاذ کر دینا چاہئے۔ انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ حضور ﷺ کو تو مدینے والے خود آ کر لے گئے تھے' آپ کو تو کوئی لینے نہیں گیا تھا۔ لہٰذا کچھ وقت لگانا چاہئے تھا کہ مقامی آبادی کا ذہن تیار ہو' ان کا فکر پختہ ہو' ان کے دلوں میں ایمان و یقین راسخ ہو اور پھر وہ اپنے رسوم و رواج کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ آپؒ سے غلطی ہوئی' لیکن چونکہ یہ غلطی پورے

خلوص و اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ ہوئی لہٰذا اللہ کے ہاں ان کا اجر و ثواب محفوظ ہو گیا' اگرچہ دنیا میں تحریک ناکامی سے دوچار ہو گئی۔ مولانا مودودی سے بھی بہت بڑی غلطی ہوئی کہ وہ چھ سات سال تک جس طریق کار پر عمل پیرا رہے تھے جب تک ہندوستان ایک ملک تھا' اُسے پاکستان آ کر تبدیل کر دیا اور انتخابات کے میدان میں آ گئے کہ شاید لوگ ہمیں ووٹ دیں گے اور ہم حکومت بنا لیں گے اور جب حکومت ہماری ہو گی تو سارا نظام ہم خود ہی بدل دیں گے۔ نظامِ تعلیم بدل دیں گے' نظامِ معیشت تبدیل کر دیں گے۔ ذرائع ابلاغ ہمارے ہاتھ میں ہوں گے تو ہم پوری قوم کی ذہنی و فکری تربیت کریں گے۔ تو بظاہر بڑا عمدہ معاملہ تھا کہ اگر بلی کے گلے میں گھنٹی لٹکا دی جائے تو چوہوں کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ تو الیکشن کے ذریعے سے کامیابی کا یہ سراب سامنے آیا تو وہ دھوکہ کھا گئے۔ اس لئے کہ ابھی یہاں کی فضا تو تیار نہیں تھی۔ ابھی معدودے چند لوگ ان کی دعوت سے واقف تھے۔ لہٰذا عوام کی اکثریت انہیں ووٹ کیسے دے دیتی؟ بہرحال غلطیاں ہوتی ہیں اور غلطیوں کے نتیجے میں دنیا میں ناکامی ہو جاتی ہے' لیکن غلطی اگر نیک نیتی سے ہو تو آخرت کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں آتی۔

مدینہ میں حضور ﷺ کے ابتدائی اقدامات

رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو یہاں اوس اور خزرج دونوں قبیلے ایمان لے آئے تھے۔ اُدھر مکہ سے جو جمعیت تیار ہو کر آئی تھی یہ سو ڈیڑھ سو آدمی تھے جو آزمائش کی بھٹیوں میں سے گزر کر آئے تھے۔

تو خاک میں مل اور آگ میں جل' جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر!

لہٰذا آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد اقدام (Active Resistance) کا فیصلہ کیا۔ لیکن چھ مہینے میں آپؐ نے اپنی پوزیشن کو مستحکم بنانے کی خاطر تین کام

کیئے۔ اولاً مسجد نبوی ؐتعمیر فرمائی' جو عبادت گاہ بھی تھی' خانقاہ اور درس گاہ بھی تھی' پارلیمنٹ اور مشاورت کی جگہ بھی تھی' یہی گورنمنٹ ہاؤس کا مقام بھی رکھتی تھی' یہیں پر وفود بھی آ رہے تھے۔ گویا مسلمانوں کا ایک مرکز وجود میں آ گیا۔ ثانیاً آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے مابین ''مواخات'' قائم فرما دی اور ہر مہاجر کو کسی ایک انصاری کا بھائی قرار دے دیا۔ چنانچہ انصارِ مدینہ نے اپنے ان مہاجر بھائیوں کو اپنے گھروں اور دکانوں میں سے حصے دیئے اور اپنے ذرائع معاش میں ان کو شریک کیا۔ اس مواخات میں ایسی ایسی مثالیں بھی سامنے آئیں کہ انصاری بھائیوں نے اپنے مکانوں اور دکانوں کے درمیان دیواریں کھڑی کر کے انہیں نصف نصف تقسیم کر کے مہاجر بھائیوں کو دے دیا۔ یہاں تک کہ ایک انصاری کی دو بیویاں تھیں۔ اُس وقت پردے کے احکام ابھی نہیں آئے تھے' وہ تو کہیں پانچ چھ سال بعد آئے۔ وہ انصاری اپنے مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے گئے' اور کہا کہ یہ میری دو بیویاں ہیں' ان میں سے جو تمہیں پسند ہو اشارہ کرو' میں اسے طلاق دے دوں گا تم اس سے شادی کر لینا۔ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں میرا بھائی قرار دیا ہے اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تمہارا گھر آباد نہ ہو اور میرے گھر میں دو دو بیویاں ہوں۔ یہ مواخات کا درس تھا۔

ہجرت کے بعد چھ ماہ کے دوران رسول اللہ ﷺ نے تیسرا اہم کام یہ کیا کہ مدینہ میں آباد یہودی قبائل کے ساتھ مشترکہ دفاع کے معاہدے کر لئے۔ آپ ﷺ کے اس اقدام کی منٹگمری واٹ اور ٹائن بی نے بہت زیادہ تعریف کی ہے اور اسے آپ ﷺ کے حسنِ تدبر اور statesmanship کا عظیم مظہر قرار دیا ہے۔ مدینہ میں یہود کے تین قبائل بنوقینقاع' بنونضیر اور بنوقریظہ آباد تھے جو بڑی strategic پوزیشن میں تھے۔ مدینے کے باہر ان کی گڑھیاں اور قلعے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ''میثاقِ مدینہ'' کے نام سے ان تینوں قبائل سے مشترکہ

دفاع کا معاہدہ کرلیا۔ آج بعض لوگ احمقانہ طور پر میثاقِ مدینہ کو اسلامی ریاست کے دستور کا نام دیتے ہیں' حالانکہ یہ مشترکہ دفاع کا ایک معاہدہ (Joint Defence Pact) تھا کہ اگر مدینے پر حملہ ہوا تو مسلمان اور یہودی مل کر حملہ آور کا مقابلہ کریں گے۔ اس معاہدے سے رسول اللہ ﷺ کی پوزیشن بہت مضبوط ہوگئی۔

غزوۂ بدر سے قبل آٹھ مہمات

مدینہ میں اپنی پوزیشن مستحکم بنانے کے بعد آپ ﷺ نے Active Resistance کے طور پر چھوٹے چھوٹے چھاپہ مار قسم کے گروپ بھیجنے شروع کردیئے۔ غزوۂ بدر سے پہلے پہلے آپؐ نے ایسی آٹھ مہمات روانہ کیں' جن میں سے چار میں حضور ﷺ خود بھی شریک ہوئے اور چار میں آپؐ شریک نہیں ہوئے۔ لہٰذا ان میں سے چار غزوات اور چار سرایا کہلاتی ہیں۔ اس عرصے میں مکہ والوں کی طرف سے کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ یعنی اب جو initiative لیا گیا وہ حضور ﷺ کی طرف سے لیا گیا۔ افسوس کہ اس بات کو چھپانے کے لئے ہمارے ہاں سیرتِ نبویؐ میں تحریف کی گئی ہے۔ اس لئے کہ جس طرح آج کل ویسٹرن میڈیا پروپیگنڈا کرتا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے' اسلام تو خونی مذہب ہے' اسلام دہشت گردی کا درس دیتا ہے' اسی طرح جب یورپ کی استعماری طاقتیں عالم اسلام پر قابض ہوئیں تو مستشرقین نے اسلام کے خلاف اسی طرح کا زہریلا پروپیگنڈا شروع کردیا۔ اس پر ہمارے مصنفین نے معذرت خواہانہ (apologetic) انداز اختیار کیا کہ نہیں نہیں' حضور ﷺ نے کوئی جنگ خود شروع نہیں کی تھی' یہ تو حضور ﷺ نے اپنے دفاع میں جنگیں کی تھیں۔ حالانکہ یہ بات سو فیصد جھوٹ ہے۔ مکہ کے پرسکون تالاب میں بھی ہلچل حضور ﷺ نے پیدا کی تھی ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادیؐ   عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی!

ورنہ وہاں کے لوگ سب کے سب اپنی قسمت پر صابر وشاکر رہ رہے تھے۔ اسی طرح ہجرت کے بعد مکہ والوں کے خلاف راست اقدام (Active Resistance) اور بالآخر مسلح تصادم (Armed Conflict) کا آغاز بھی محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

غزوۂ بدر سے قبل ایک سال کے عرصے میں آپ ﷺ نے جو آٹھ مہمات روانہ کیں ان کے دو مقصد سامنے آتے ہیں۔ جدید اصطلاحات کے حوالے سے پہلا مقصد مکہ کی معاشی ناکہ بندی (Economic Blockade) اور دوسرا مقصد قریش کی سیاسی ناکہ بندی (Isolation or Political Containment) تھا۔ قریش کے قافلے جس راستے سے گزرتے تھے، آپؐ نے اس کو مخدوش بنا دیا اور قریش کو گویا یہ پیغام دے دیا کہ اب ہم یہاں موجود ہیں اور آپ کے تجارتی قافلے ہماری زد میں ہیں۔ جو راستہ مکہ سے شام جاتا تھا، وہ بدر سے گزرتا تھا۔ بدر مکہ سے دو سو میل دور ہے جبکہ مدینہ سے اس کا فاصلہ صرف نوے میل ہے۔ آپؐ نے قریش کے تجارتی قافلوں کو روکنے کے لئے کئی مہمیں ادھر بھیجیں۔ خود ایک بڑی مہم لے کر گئے اور اس بڑے قافلے کا پیچھا کیا جو ابوسفیان لے کر شام جا رہا تھا، لیکن وہ بچ کر نکل گیا۔ اسی طرح مکہ سے یمن جانے والے قافلے طائف سے ہو کر گزرتے تھے۔ ادھر بھی آپؐ نے ایک مہم بھیج دی۔ پھر آپؐ جہاں گئے وہاں کے قبیلوں سے آپؐ نے معاہدے کر لئے۔ یا تو وہ پہلے قریش کے حلیف تھے اب حضور ﷺ کے ہو گئے، یا انہوں نے غیر جانبدارانہ حیثیت اختیار کر لی کہ نہ ہم قریش کے خلاف آپؐ کی مدد کریں گے، نہ آپؐ کے خلاف قریش کی مدد کریں گے۔ ان دونوں طرح کے معاہدوں سے قریش کی طاقت کم ہوئی۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے متذکرہ بالا دونوں مقاصد حاصل کر لئے۔

ہر قوم میں دو طرح کے انسان ہوتے ہیں۔ آج کی اصطلاح میں انہیں

عقابی مزاج کے لوگ (Hawks) اور فاختائی مزاج کے لوگ (Doves) کہا جاتا ہے۔ مکہ میں بھی ہر دو طرح کے لوگ موجود تھے۔ جوشیلے اور مشتعل مزاج لوگوں (Hawks) میں ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط بہت نمایاں تھے' جبکہ ٹھنڈے مزاج اور بردبار طبیعت کے حامل لوگوں (Doves) میں عتبہ بن ربیعہ اور حکیم بن حزام نمایاں تھے۔ مقدم الذکر طبقے کا کہنا تھا کہ چلو اب مدینے پر حملہ کرو اور محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کا قلع قمع کر دو۔ جبکہ مؤخر الذکر اس طرح کے اقدام کے حق میں نہیں تھے۔ عتبہ بن ربیعہ بہت زیرک انسان تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد قریش سے کہا تھا کہ دیکھو محمدؐ اور اس کے ساتھی یہاں سے چلے گئے (اِن کے خیال میں وہ بلا ان کے سر سے تو ٹل گئی)' اب مدینہ جا کر بھی محمد (ﷺ) آرام سے تو نہیں بیٹھے گا بلکہ اپنے دین کی تبلیغ کرے گا۔ اس سے عرب اس کے خلاف ہوں گے اور بقیہ عربوں سے اس کی کشمکش ہو گی۔ تو اگر باقی عرب کو محمد (ﷺ) نے فتح کر لیا تو ہمارا کیا نقصان ہے' وہ ہمارا قرشی بھائی ہے' اس کی جیت ہماری جیت ہے' اس کی فتح سے عرب پر ہماری حکومت قائم ہو جائے گی' اور اگر عربوں نے محمد (ﷺ) کو ہلاک کر دیا تو جو تم چاہتے ہو وہ ہو جائے گا بغیر اس کے کہ تم اپنے بھائیوں کے خون سے اپنی تلواریں آلودہ کرو۔ آخر ابوبکر کون ہے؟ ہمارا بھائی نہیں ہے کیا؟ عمر کون ہے؟ اور یہ عثمان کون ہے؟ بنو امیہ میں سے ہے۔ حمزہ کون ہے؟ عبدالمطلب کا بیٹا ہے۔ اور محمد (ﷺ) کون ہے؟ عبدالمطلب کا پوتا ہے۔ تم اپنی تلواروں سے ان کی گردنیں اڑاؤ گے؟ تم محمد (ﷺ) کو اور عربوں کو آپس میں نمٹنے دو۔ اگر محمد (ﷺ) جیت گیا تو ہمارا راج پورے عرب پر ہو گا۔ یہ وہ بات تھی جو فی الحقیقت ہو کر رہی۔ خلافتِ راشدہ کے بعد دورِ ملوکیت میں پھر وہی عرب تھے جن کی حکومتیں قائم ہوئیں' چاہے بنواُمیہ تھے' چاہے بنو عباس تھے۔ اس قدر گہری بات اُس شخص نے

کہی جس نے اہلِ مکہ کو متاثر بھی کیا۔

ان فاختائی مزاج لوگوں (Doves) کا مکہ میں خاصا اثر ورسوخ تھا' لیکن دو واقعات ایسے وقوع پذیر ہو گئے کہ جنگجو اور مشتعل مزاج لوگوں (Hawks) کا پلڑا بھاری ہو گیا اور یہ Doves بالکل خاموش ہو گئے۔ ایک تو یہ کہ ابوسفیان کا وہ قافلہ جس کا حضور ﷺ نے پیچھا کیا تھا اور وہ بچ کر نکل گیا تھا' اب مالِ تجارت سے لدا پھندا شام سے واپس آ رہا تھا۔ ابوسفیان نے قریش کو SOS کال بھیج دی کہ مجھے خطرہ ہے کہ محمد (ﷺ) کے آدمی قافلے پر حملہ کریں گے اور ہمیں لوٹ لیں گے' لہٰذا فوری طور پر مدد بھیجی جائے۔ ابوسفیان کا پیغام لے کر ایک آدمی چیختا چلاتا ہوا مکہ پہنچا کہ تمہارا قبیلہ' تمہارا خاندان اور تمہارا مال خطرے میں ہے' لہٰذا فوراً مدد کو پہنچو۔ دوسری طرف ایک اور واقعہ ہو گیا۔ حضور ﷺ نے بارہ افراد کا ایک چھوٹا سا دستہ نخلہ بھیجا تھا جو طائف اور مکہ کے درمیان ایک مقام ہے اور انہیں ہدایت کی تھی کہ وہاں قیام کرو اور ہمیں وہاں سے مکہ کے لوگوں کی نقل و حرکت سے مطلع کرتے رہو۔ وہاں ایسی صورت حال پیش ہوئی کہ مکہ والوں کے ایک قافلے کے ساتھ ان کی مڈبھیڑ ہو گئی' جس کے نتیجے میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایک مشرک مارا گیا' دو کو وہ گرفتار کر کے لے آئے اور ایک بھاگ گیا۔ مسلمان کئی اونٹوں کے اوپر لدا ہوا مال بطور غنیمت لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس پر حضور ﷺ ناراض ہوئے کہ میں نے تمہیں جنگ کا حکم نہیں دیا تھا۔ لیکن اب جو ہونا تھا' ہو چکا تھا۔ جو مشرک مسلمانوں کے ہاتھوں بچ کر بھاگا تھا وہ کپڑے پھاڑ کر چیختا چلاتا ہوا مکہ پہنچا کہ لوگو دیکھو محمد (ﷺ) کے آدمیوں نے ہمارا آدمی مار دیا۔ یہ دو خبریں بیک وقت مکہ پہنچیں' ایک شمال سے اور دوسری جنوب سے۔ ہجرت کے بعد اب تک مشرکین نے کسی مسلمان کو نہیں مارا تھا۔ ہجرت سے پہلے حضرت سمیہ اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہما کو ابوجہل نے شہید کیا تھا'

لیکن ہجرت کے بعد اہلِ مکہ کی طرف سے کوئی اقدام نہیں ہوا تھا۔

انقلابِ نبویؐ کا چھٹا مرحلہ: مسلح تصادم

متذکرہ بالا دو واقعات کی وجہ سے Doves کو خاموش ہونا پڑا اور اس کے نتیجے میں غزوۂ بدر سے محمد رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے چھٹے مرحلے یعنی مسلح تصادم کا آغاز ہو گیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ اور قریش کے مابین دوطرفہ جنگ تھی جو قریباً چھ سال جاری رہی اور اس دوران حق و باطل کے مابین کئی معرکے ہوئے۔ غزوۂ بدر میں قریش کے ستر بڑے بڑے سردار مارے گئے اور چودہ صحابہ ؓ شہید ہو گئے۔ احد میں الٹا معاملہ ہو گیا کہ بعض صحابہؓ کی غلطی سے ستر صحابہ ؓ شہید ہو گئے۔ تفاصیل کے لئے میری کتاب ''منہج انقلابِ نبویؐ'' کا مطالعہ کیجئے۔ یہ تو میں اس خاکے میں رنگ بھر رہا ہوں' لیکن آپ کو سیرت نہیں پڑھا رہا' فلسفۂ سیرت سمجھا رہا ہوں۔ قریشِ مکہ سے آپؐ کی چھ سالہ طویل جنگ ۱۷رمضان المبارک سن دو ہجری کو شروع ہوئی اور دس رمضان المبارک ۸ ہجری کو فتح مکہ پر اختتام پذیر ہوئی۔ اس دوران بہت سے اتار چڑھاؤ آئے۔ مختلف غزوات میں سینکڑوں صحابہ ؓ کو جانوں کی قربانی دینی پڑی۔ غزوۂ احد میں حضور ﷺ خود بھی مجروح ہوئے اور دندانِ مبارک بھی شہید ہوئے۔ تلوار کا وار چہرہ مبارک پر پڑا تو جو خود آپؐ پہنے ہوئے تھے اس کی دو کڑیاں رخسار مبارک کی ہڈی کے اندر گھس گئیں۔ ایک صحابیؓ نے دانتوں سے پکڑ کر کھینچ کر نکالنا چاہا تو ان کے دانت اکھڑ گئے مگر وہ نہیں نکلیں۔ کسی طریقے سے انہیں نکالا گیا تو خون کا فوارہ چھوٹ پڑا۔ اتنا خون بہا کہ آپؐ بے ہوش ہو کر گر گئے اور مشہور ہو گیا کہ حضور ﷺ شہید ہو گئے۔ ستر صحابہ کرام ؓ شہید ہوئے' جن میں حضرت حمزہ ؓ بھی شامل تھے۔ ان کے حضور ﷺ کے ساتھ کئی رشتے تھے —— وہ آپ ﷺ کے چچا بھی تھے' خالہ زاد بھائی بھی اور دودھ شریک بھائی بھی' جو عربوں

کے ہاں سگے بھائی شمار ہوتے تھے۔ پھر وہ آپ ﷺ کے بچپن کے ہم جولی اور دوست تھے۔ اور ان کی لاش اس حالت میں آئی کہ ناک کٹی ہوئی ہے، کان کٹے ہوئے ہیں، پیٹ چاک کر کے کلیجہ چبایا گیا ہے۔ چنانچہ جان لیجئے کہ انقلاب برپا کرنے کا یہ کام گھر بیٹھے نہیں ہوا۔ اس کے لئے بڑی قربانیاں دی گئی ہیں۔ بہرحال چونکہ یہ کام بھرپور تیاری کے بعد کیا گیا تھا لہٰذا چھ سال کے عرصے پر محیط اس مسلح تصادم کا نتیجہ فتح مکہ کی صورت میں نکلا اور انقلابِ نبویؐ کی تکمیل ہو گئی۔

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو جنگیں لڑیں ان کی حیثیت ملٹری کی اصطلاح میں Mopping-up operation کی تھی، جس کے ذریعے مخالف قوتوں کا آخری قلع قمع کر دیا جاتا ہے۔ فتح مکہ پر اندرونِ عرب انقلاب کی تکمیل ہو گئی۔

انقلابِ نبویؐ کی توسیع وتصدیر

اب مجھے دو باتوں کی مزید وضاحت کرنی ہے۔ پہلی بات یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ سے قبل نہ کوئی مبلغ عرب سے باہر بھیجا، نہ اپنا کوئی خط یا پیغام کسی سربراہ حکومت کے نام بھیجا۔ دس سال تک سارا کام مکے میں ہی کیا۔ اس کے بعد طائف کا سفر فرمایا۔ انقلابی عمل کا خاصہ یہ ہے کہ یہ ابتداء میں پھیلتا نہیں ہے۔ مشنری اور تبلیغی کام خربوزے یا ککڑی کی بیل کی طرح زمین پر پھیلتا ہے، جبکہ انقلابی عمل ایک ہی مقام پر اپنی جڑیں جما کر اوپر اٹھتا ہے۔ جیسے آم کی گٹھلی پھٹتی ہے تو اس سے دو پتے نکلتے ہیں، اس سے آم کا پودا بنتا ہے جو تناور درخت بن کر برگ و بار لاتا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جدوجہد مشنری انداز کی نہیں تھی بلکہ انقلابی انداز کی تھی۔ مکی زندگی کے ابتدائی دَور میں آپؐ کے پاس مال و دولت کی کمی نہ تھی۔ اُس وقت حضرت خدیجہؓ کی دولت موجود تھی جو انہوں نے آپؐ کی

خدمت میں پیش کر دی تھی۔ اُس وقت آپؐ چاہتے تو قیصر و کسریٰ اور دوسرے حکمرانوں کو خطوط بھیج سکتے تھے کہ میں اللہ کا رسول ہوں' مجھ پر ایمان لاؤ! لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد آپ ﷺ نے عرب کے مختلف قبائل سے معاہدے کئے لیکن عرب سے باہر کوئی وفد نہیں بھیجا۔ وہ تو جب صلح حدیبیہ ہو گئی اور قریش نے گویا آپ ﷺ کو مخالف قوت کے طور پر تسلیم (recognize) کر لیا' جسے قرآن حکیم نے فتح مبین قرار دیا تو آپ ﷺ نے کسریٰ' ہرقل' مقوقس' نجاشی اور ان رؤسائے عرب کی طرف جو جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں پر آباد تھے اور انہوں نے اُس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا' اپنے دعوتی و تبلیغی نامہ ہائے مبارک چند صحابہ کرام ؓ کے ہاتھ روانہ کئے۔ ان نامہ ہائے مبارک کے نتیجہ میں ملوک و سلاطین کی جانب سے مختلف ردِّعمل سامنے آئے۔ ملکِ غسان نے' جو ہرقل کے تابع تھا' آپ ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر ؓ کو شہید کر دیا۔ حضور ﷺ نے ان کے قصاص کے لئے لشکر تیار کر کے بھیجا اور غزوۂ موتہ کا معرکہ ہوا۔ اس کے بعد پھر غزوۂ تبوک کا معاملہ ہوا۔ اس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں تصدیرِ انقلاب (یعنی Exporting of Revolution) کے مرحلے کا آغاز بھی ہو گیا۔ یعنی حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں نہ صرف اندرونِ ملکِ عرب انقلاب کی تکمیل ہو گئی بلکہ عرب سے باہر کام کا آغاز آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے کیا اور پھر یہ ذمہ داری امت کے سپرد فرمائی کہ تم نے اس کام کو آگے بڑھانا ہے۔

منہجِ انقلابِ نبویؐ کا حالاتِ حاضرہ پر انطباق

دوسری بات یہ کہ آج وقت کے دریا میں بہت سا پانی بہہ گیا ہے اور حالات میں بہت تبدیلی آ چکی ہے۔ لہٰذا اس وقت ایک بہت بڑا سوال پیدا ہوتا ہے کہ

آج کے دور میں نبی اکرم ﷺ کے طریق انقلاب پر جوں کا توں عمل کیا جائے گا یا اس کے لئے کسی اجتہاد کی ضرورت ہے۔ میرے خیال میں اوپر بیان کئے گئے پہلے پانچ مراحل میں قطعاً کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا انقلابی نظریہ آج بھی وہی نظریہ توحید ہے اور آج بھی ہمیں ایمان کی دعوت دینی ہے جس کا منبع و سرچشمہ قرآن ہے۔ یہ تصور درست نہیں ہے کہ ہم مسلمان ہیں تو ہمارے اندر ایمان تو موجود ہے۔ اس لئے کہ اسلام اور شے ہے' ایمان اور شے ہے۔ ہم مسلمان اس لئے ہیں کہ مسلمان ماں باپ کے گھر پیدا ہوگئے ہیں۔ ایمان ہمیں اپنے قلوب واذہان میں خود پیدا کرنا ہے۔ توحید پر' آخرت پر' رسالت پر یقین والا ایمان ہماری اولین ضرورت ہے۔

یقیں پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری!

رسول اللہ ﷺ کا آلۂ انقلاب قرآن تھا۔ آج بھی یہی قرآن ہمارا آلۂ انقلاب ہے۔ لہٰذا رجوع الی القرآن کی دعوت وسیع پیمانے پر عام کی جائے۔ میرے نزدیک قرآن کی حیثیت مقناطیس کی ہے جو سلیم الفطرت لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ جن لوگوں کی فطرت مسخ ہو چکی ہو ان پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔ جیسے آپ کو معلوم ہے کہ مقناطیس لوہے کے ٹکڑوں کو تو کھینچ لے گا لیکن لکڑی کے ٹکڑوں کو نہیں کھینچے گا۔ لہٰذا قرآن کے مقناطیس کو اس معاشرے میں پھیلانے کی ضرورت ہے۔ الحمد للہ کہ میں نے چالیس برس تک اس شہر لاہور میں قرآن کی چکی پھیری ہے۔ مجھے یہ خطاب بھی دے دیا گیا تھا کہ یہ قرآن کا قوّال ہے اور میں نے خوشی سے اس خطاب کو قبول کیا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ

"ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیثِ دوست کہ تکرار می کنیم"

کے مصداق میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا۔ میڈیکل پڑھی تھی سب بھلا دی۔ ہاں یہ حدیث دوست ہے' اللہ کا کلام ہے' اس کی تکرار میں کر رہا ہوں۔ بہرحال پہلا زینہ یہی ہو گا۔ پھر جو لوگ اس میگنٹ کے ساتھ چمٹ کر آ جائیں انہیں بیعت کی بنیاد پر منظم کیا جائے' جو محمد رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے بطور اُسوہ چھوڑ گئے ہیں۔ تنظیم کی بنیاد کسی انگریزی نظام پر نہ ہو' کوئی دو تین سال کی امارت کا معاملہ نہ ہو' کوئی انتخابِ امیر کا معاملہ نہ ہو' بلکہ جس داعی نے تمہیں دعوت دی اور تم نے اس کی بات کو صحیح تسلیم کیا' اس کی دعوت پر اعتماد کیا' اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ اس عہد کے ساتھ دے دو کہ ہم شریعت کے دائرہ کے اندر اندر آپ کا حکم مانیں گے۔ اپنا مشورہ ضرور دیں گے' لیکن فیصلہ آپ کا ہو گا۔ جو لوگ اس بنیاد پر جمع ہو جائیں اب ان کی تربیت کی جائے۔ قرآن ان کے اندر اتارا جائے۔ راتوں کو جاگنے کی تشویق دلائی جائے۔ اللہ کی راہ میں انفاقِ مال اور بذلِ نفس کی تلقین کی جائے۔ نفاق کو ختم کرنے والی شے انفاق ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ صبر محض (Passive Resistance) کا مرحلہ بھی شروع ہو جاتا ہے۔ آج صبر محض کی شکل کیا ہو گی؟ ہم ابھی حکومت کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہیں۔ مکہ کی چھوٹی سی آبادی میں تو سو پچاس آدمی بھی خطرہ بن کر نظر آ گئے تھے' لیکن یہاں پندرہ کروڑ میں دو چار ہزار آدمی ایسے ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے؟ لہٰذا ابھی ان پر حکومت کی طرف سے یا اس نظام کی طرف سے کوئی دارو گیر شروع نہیں ہو گی۔ البتہ ان کا امتحان شریعت پر عمل کرنے میں ہو گا۔ انہیں رشوت چھوڑنی ہو گی' لیکن اس سے اپنے گھر والے دشمن ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ وہ ناشتے میں پہلے پراٹھے اور انڈے کھاتے تھے' اب انہیں روکھی سوکھی پر گزارہ کرنا پڑے گا۔ سورۃ التغابن میں ارشاد ہے: ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ﴾ (آیت ۱۴) "اے ایمان والو!

تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے تمہارے دشمن ہیں' پس ان سے بچ کر رہو''۔ آپ اپنے گھر میں شرعی پردہ نافذ کریں گے تو آپ کی پوری برادری آپ کا سوشل بائیکاٹ کر دے گی۔ تو یہ ہے وہ صبر محض (Passive Resistance) کا مرحلہ جس سے ابھی ہم گزر رہے ہیں' لیکن اللہ کرے کہ وہ وقت بھی آئے کہ اتنے لوگ مجتمع ہوں کہ حکومت کو ان سے اندیشہ لاحق ہو جائے کہ یہ اس نظام کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں۔ پھر دارو گیر ہو گی' دار و رسن کا معاملہ ہو گا۔

دورِ حاضر میں حالات واقعتاً اس درجے تبدیل ہو گئے ہیں کہ انقلاب کے آخری مرحلے یعنی مسلح تصادم (Armed Conflict) کے بارے میں اجتہاد کی واقعی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ کے دور میں ایک طرف مسلمان اور دوسری طرف کفار تھے' اور حربی کافر کی گردن مارنے میں کسی کو کیا جھجک ہو سکتی تھی۔ جبکہ آج صورت حال یہ ہے کہ اِدھر بھی مسلمان ہیں اور اُدھر بھی مسلمان۔ ہمارے حکمران جیسے بھی ہوں' ہیں تو مسلمان۔ بھٹو' بے نظیر' ضیاء الحق' نواز شریف اور پرویز مشرف سب مسلمان ہیں۔ دوسرے یہ کہ اُس زمانے میں طاقت کا فرق صرف تعداد کے اعتبار سے تھا۔ اِدھر ۳۱۳ رضا کار (volunteers) تھے تو اُدھر ایک ہزار رضا کار۔ اُدھر بھی باقاعدہ تربیت یافتہ مسلح فوج نہیں تھی۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ اُدھر ٹینک' توپیں' میزائل اور بم ہوں اور اِدھر مجاہدین صرف تلواریں لئے کھڑے ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کی فوج کا رسالہ دو گھوڑوں پر مشتمل تھا' اُدھر سو گھوڑوں پر مشتمل رسالہ تھا۔ چنانچہ تعداد میں فرق ضرور تھا' نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہ تھا۔

مزید برآں عمرانی ارتقاء (Social Evolution) کے نتیجے میں آج اس بات کا امکان موجود ہے کہ بغیر جنگ کے حکومت تبدیل کی جا سکتی ہے۔ آج یہ مانا جاتا ہے کہ ریاست اور ہے' حکومت اور ہے۔ شہری ریاست کے وفادار ہوتے

ہیں' حکومت کے نہیں۔ حکومت کی تبدیلی تو عوام کا حق ہے۔ اُس وقت تک ابھی عمرانی ارتقاء اس سطح تک نہیں پہنچا تھا' لہٰذا حکومت اور ریاست گڈمڈ تھے۔ اب یہاں پر بغیر جنگ کے حکومت تبدیل کرنے کے دو راستے ہیں' ایک الیکشن کا راستہ اور ایک احتجاجی تحریک (Agitation) کا راستہ۔ الیکشن کے راستے سے نظام نہیں بدل سکتا' خواہ الیکشن کتنا ہی شفاف اور منصفانہ ہو۔ اس سے تو صرف نظام کو چلانے والے ہاتھ بدل جاتے ہیں۔ اس لئے کہ آپ کے معاشرے میں طاقت کے جو ستون موجود ہیں الیکشن میں انہی کا انعکاس ہوگا۔ اگر ملک میں جاگیردارانہ نظام ہے تو کوئی جاگیردار ہی منتخب ہو کر آئے گا۔ اگر سرمایہ دارانہ نظام ہے تو کوئی سرمایہ دار ہی آئے گا۔ یہ تو شہروں میں کچھ تبدیلی ہوتی رہتی ہے کہ کبھی کراچی میں جماعت اسلامی کی پوزیشن مستحکم ہوگئی تھی' کبھی ایم کیو ایم کی ہوگئی۔ کیونکہ شہروں میں نہ جاگیردار ہیں نہ قبائلی سردار۔ البتہ ہمارے دیہی علاقوں میں سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام قائم ہے۔ سرمایہ دار اور جاگیردار الیکشن کے ذریعے منتخب ہو کر اقتدار میں آئیں گے تو کیا وہ جاگیرداری اور سرمایہ داری ختم کر دیں گے؟ اس طرح تو وہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماریں گے۔ تو جان لیجئے کہ الیکشن کسی نظام کو چلانے کے لئے ہوتا ہے' اسے بدلنے کے لئے نہیں ہوتا۔ امریکہ میں دو پارٹیز ہیں' ری پبلیکنز اینڈ ڈیموکریٹس۔ ان دونوں کے مابین امریکہ کے نظام کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دونوں پارٹیوں کا دعویٰ صرف یہ ہے کہ ہم اس نظام کو اچھے انداز سے چلا سکتے ہیں۔ ان کے منشور میں فرق ہوگا تو ٹیکسیشن پالیسی' ہیلتھ پالیسی یا امیگریشن پالیسی کا ہوگا۔ برطانیہ میں کنزرویٹوز اور لیبر پارٹی کے نام سے دو پارٹیاں ہیں۔ نظام کے بارے میں ان کے مابین بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں' اگر امریکہ میں کمیونسٹ ہوں تو وہ نظام کے خلاف بولیں گے۔ چنانچہ سی ایٹل اور واشنگٹن میں گلوبلائزیشن کے خلاف ہونے والے

مظاہرے یہ پتا دیتے ہیں کہ وہاں کمیونسٹ عنصر موجود ہے۔ لیکن ظاہر بات ہے وہ لوگ الیکشن کا راستہ کبھی بھی اختیار نہیں کریں گے' الیکشن کے ذریعے ان کی کامیابی کا سوال ہی نہیں۔

موجودہ دور میں اقدام کی نوعیت

دریں حالات ایک ہی راستہ باقی ہے۔ وہ یہ کہ ایک پُر امن' منظم عوامی تحریک اٹھے جو توڑ پھوڑ نہ کرے اور سرکاری یا غیر سرکاری املاک کو نقصان نہ پہنچائے۔ البتہ یہ لوگ خود جانیں دینے کو تیار ہوں۔ اس کو میں ''یک طرفہ جنگ'' سے تعبیر کرتا ہوں۔ یہ لوگ سڑکوں پر آ کر منکرات کے خلاف احتجاجی مظاہرے کریں۔ یہ لوگ حکومت پر اپنا موقف واضح کریں کہ ہم نے منکرات کے انسداد کے لئے آپ سے بہت درخواستیں کیں' آپ کے آگے ہاتھ جوڑے کہ خدارا سود ختم کردو' لیکن اب ہم picketing کریں گے' دھرنا دیں گے' بینکوں کا گھیراؤ کریں گے اور اس سودی نظام کو جیتے جی نہیں چلنے دیں گے۔ چلاؤ ہم پر گولیاں!

میرے خیال میں اس وقت انقلاب کے لئے یہی قابل عمل طریقہ ہے۔ اگر ہم مشتعل ہو کر اسلحہ اٹھائیں تو کس کے خلاف اٹھائیں گے؟ بری افواج یا ایئر فورس کے خلاف؟ کیا ہماری ماضی کی حکومتوں نے بلوچستان میں دو مرتبہ ایئر فورس استعمال نہیں کی؟ کیا ایئر فورس کے ذریعے سے حافظ الاسد نے ایک دن میں ہزاروں اخوان ختم نہیں کر دیئے تھے؟ اور ان کا مرکز بمباری کر کے تباہ و برباد نہیں کر دیا تھا؟ تو آج مقابلہ بہت غیر مساوی (unequal) ہے۔ جہاں ممکن ہو دو طرفہ جنگ بھی ہو سکتی ہے' کسی پہاڑی ملک میں کوئی چھاپہ مار جنگ بھی ہو سکتی ہے' یہ حرام نہیں ہے۔ دین کو قائم کرنے کے لئے حضور ﷺ نے جنگ لڑی ہے تو ہم بھی لڑ سکتے ہیں اور کلمہ گو کے خلاف بھی لڑ سکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے موقف کے مطابق مسلمان حکمران اگر فاسق و فاجر ہوں تو ان کے خلاف بغاوت

کی جا سکتی ہے۔ پہلے تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر زبان سے کیا جائے۔ اگر یہ زبان سے کہنا مؤثر ثابت نہ ہو تو پھر تلوار کے ذریعے سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا جا سکتا ہے۔ تو جنگ اگرچہ جائز ہے' لیکن موجودہ حالات میں عملاً ممکن نہیں ہے۔ آج کے مسلمان حکمرانوں کے خلاف یک طرفہ جنگ ہی موزوں لائحہ عمل ہے۔

اگر کسی حکومت کے خلاف اس طرح کی ایک احتجاجی تحریک چلتی ہے تو ظاہر ہے اسے روکنے کی کوشش کی جائے گی۔ شروع میں فوج حکومت کا حکم مانے گی اور مظاہرین پر گولیاں چلائے گی۔ لیکن ایک وقت میں آ کر فوج ہاتھ اٹھا دے گی کہ ہم اپنے ہم وطنوں کا مزید قتل نہیں کر سکتے۔ یہ کوئی قابض فوج نہیں ہے' قومی فوج ہے' اور جو سامنے کھڑے ہیں وہ بھی کہیں اور سے نہیں آئے۔ ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ میں جنرل ڈائر نے اگر سینکڑوں ہزاروں افراد بھون کر رکھ دیئے تھے تو اسے ان کا کیا دکھ تھا؟ وہ انگریز تھا اور مرنے والے ہندوستانی تھے' چاہے مسلمان ہوں چاہے ہندو یا سکھ ہوں۔ لیکن اپنی قوم کے لوگوں کو مارنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ ایک حد تک تو حکم کی تعمیل کی جاتی ہے' پھر ایک وقت آتا ہے کہ جب اپنے فوجی افسر ہاتھ کھڑے کر دیتے ہیں۔ جیسے لاہور میں بریگیڈیئر محمد اشرف گوندل' اللہ تعالیٰ انہیں اجر و ثواب دے' کھڑے ہو گئے کہ اب ہم لوگوں پر مزید گولیاں نہیں چلائیں گے۔ پھر دو اور بریگیڈیئر کھڑے ہو گئے اور بھٹو صاحب کو پیغام مل گیا۔ چند دن پہلے انہوں نے ٹیلی ویژن پر خطاب کرتے ہوئے اپنی کرسی کے بازو پکڑ کر اکڑتے ہوئے کہا تھا کہ میری یہ کرسی بہت مضبوط ہے۔ مجھے آج تک وہ نقشہ یاد ہے۔ لیکن جب لاہور سے پیغام پہنچ گیا کہ فوج کا اب یہ نقطہ نظر ہے تو وہ کرسی ڈول گئی۔ پھر انہوں نے پی این اے کو مذاکرات کا پیغام بھجوایا۔ بہرحال اسلامی انقلاب کے لئے جانیں تو دینی ہوں گی' اس کے بغیر یہ

کام نہیں ہوگا۔

دورِ حاضر میں ہمارے سامنے ایرانیوں کی مثال موجود ہے کہ انہوں نے اپنی جانیں دے کر انقلاب برپا کر دکھایا۔ اگرچہ ایرانی انقلاب کو میں صحیح اسلامی انقلاب نہیں سمجھتا' بلکہ میرے نزدیک تو وہ ایک حقیقی انقلاب بھی نہیں تھا' اس لئے کہ وہ اپنی سرحدوں سے باہر نکل نہیں سکا' جبکہ ''تصدیرِ انقلاب'' ایک حقیقی انقلاب کا لازمی خاصہ ہے۔ ۸۵۔۱۹۸۴ء میں مَیں نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں اس موضوع پر خطابات کئے تھے کہ کیا ایرانی انقلاب اسلامی انقلاب ہے؟ اور پھر اس کے بعد ''منہج انقلابِ نبویؐ'' کے موضوع پر گیارہ تقریریں کی تھیں' جن کا خلاصہ آج آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ وہ تقریریں اب ''منہج انقلابِ نبویؐ'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں۔ اگر آپ کے دل میں ذرا بھی کوئی جذبہ ابھرا ہے تو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔

وقت کی اہم ترین ضرورت

آج کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ طریق انقلاب واضح ہو جائے۔ آج مسلمانوں میں جذبے کی کمی نہیں ہے۔ ہزاروں لوگ جانیں دے رہے ہیں۔ اپنے جسموں سے بم باندھ کر اپنے جسموں کو اڑا رہے ہیں۔ کشمیر کے اندر جو جذبہ ابھرا اسے پوری دنیا نے دیکھ لیا۔ کشمیریوں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ تو لڑنے والی قوم ہے ہی نہیں' اب اس کے اندر جان پیدا ہو چکی ہے۔ پاکستان سے جا کر کتنے لوگوں نے وہاں پر جامِ شہادت نوش کر لیا۔ لیکن اسلامی انقلاب کا طریق کار یہ نہیں ہے۔ اس سے کہیں کامیابی نہیں ہوگی۔ اس طریقے سے آپ صرف اپنا غصہ نکال سکتے ہیں۔ آپ نے جا کر افریقہ میں امریکہ کے دو سفارت خانوں کو بم سے اڑا دیا' اس سے امریکی تو دس پندرہ مرے' جبکہ ۲۰۰ وہاں کے

لوکل افریقی مر گئے۔ فائدہ کیا ہوا؟ بس یہی کہ آپ نے اپنا غصہ نکال لیا۔ تو ان طریقوں سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ الیکشن سے بھی کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ اس طرح اسلامی انقلاب کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ آپ کا خلوص اپنی جگہ' لیکن یہ طریقہ غلط ہے۔ اسلامی انقلاب کے لئے طریقہ محمدیؐ اختیار کرنا ہو گا۔ کیا حضور ﷺ عرب میں الیکشن کے ذریعے سے کامیاب ہو سکتے تھے؟ قرآن تو کہتا ہے ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (الانعام:۱۱۷) ''اگر تم زمین میں رہنے والوں کی اکثریت کی پیروی کرو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر کے چھوڑیں گے''۔ الیکشن میں تو صرف اکثریت اقلیت کا مسئلہ ہے۔ میں اس سے بھی بڑھ کر کہتا ہوں' کیا آیت اللہ خمینی الیکشن کے ذریعے ایران میں برسرِ اقتدار آ سکتے تھے؟ قطعاً ناممکن! خدا کے لئے اپنے آپ کو دھوکہ دینا چھوڑ دو۔ آج پوری امت عذابِ الٰہی سے صرف اس صورت میں نکل سکتی ہے کہ کم از کم کسی ایک ملک میں اللہ کے دین کو قائم کر کے پوری دنیا کو دعوت دے سکے کہ آؤ دیکھو' یہ ہے اسلام! اس کی برکتیں دیکھو ـــــ اس کی سعادتیں دیکھو ـــــ یہاں کی مساوات اور یہاں کا بھائی چارہ دیکھو ـــــ یہاں کی آزادی دیکھو۔ یہاں کا امن وامان دیکھو!! اگر ہم یہ نہ کر سکے تو پھر اللہ کا عذاب سخت سے سخت تر ہو گا۔ ؏ ''اور کچھ روز فضاؤں سے لہو برسے گا!'' عذاب کی شدت بڑھے گی' گھٹے گی نہیں۔ اور سب سے بڑھ کر عالمِ عرب پر عذابِ خداوندی کے کوڑے برسیں گے۔ اس لیے کہ ان پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہوا تھا۔ رسول عربی محمد رسول اللہ ﷺ ان میں سے تھے ؏ ''یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا!'' پھر یہ کہ ان کی زبان میں اللہ نے اپنی آخری کتاب نازل فرمائی۔ ہم تو چٹائی توڑ تعلیم حاصل کرنے کے بعد عربی سیکھ کر قرآن کو سمجھ سکتے ہیں' لیکن ان کی یہ مادری زبان ہے۔

بہرحال پاکستان کی بقا اسی میں ہے کہ یہاں اسلامی انقلاب آئے۔ یہی

اس کی وجہ جواز ہے۔ ورنہ پاکستان کا حال تو اس وقت یہ ہے جیسے سورۃ الواقعہ کے آخری رکوع میں نقشہ کھینچا گیا ہے کہ جب کسی پر نزع کا عالم ہوتا ہے اور اس کے رشتے دار کھڑے ہوئے دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ جا رہا ہے' لیکن بے بس ہوتے ہیں ___ فرمایا: ﴿فَلَوْ لَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٨٧﴾﴾ ''پھر اگر تم کسی کے محکوم نہیں ہو تو اس کی نکلتی ہوئی جان کو واپس کیوں نہیں لے آتے اگر تم اپنے خیال میں سچے ہو؟'' اسی طرح میں کہہ رہا ہوں کہ یہ پاکستان جا رہا ہے۔ پھر آپ کے محل آپ کے نہیں' کسی اور کے ہوں گے۔ آپ کی ملیں' آپ کے کارخانے کسی اور کے ہوں گے ؏ ''دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں!'' اگر یہاں اسلام نہ آیا تو پاکستان کو باقی رہنے کا حق حاصل نہیں رہے گا۔ میں نے ''موجودہ عالمی حالات کے پس منظر میں اسلام اور پاکستان کا مستقبل'' کے جامع عنوان کے تحت دو تقریریں کی تھیں ___ (۱) موجودہ عالمی حالات کے پس منظر میں اسلام کا مستقبل (۲) کیا پاکستان کے خاتمے کی الٹی گنتی شروع ہو چکی ہے؟ اور کیا ابھی نجات کی کوئی راہ کھلی ہے؟ ___ نجات کی واحد راہ یہ ہے کہ یہاں اسلامی نظام لایا جائے۔ لیکن اس کی خواہش اور جذبہ رکھنے والوں کے سامنے چونکہ طریق کار واضح نہیں ہے لہٰذا وہ اِدھر اُدھر بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

میں نے سیرتِ نبویؐ سے استفادہ کرتے ہوئے' اس سے استنارِ نُور کرتے ہوئے آپ کے سامنے وہ طریق انقلاب رکھ دیا ہے کہ اس کو اختیار کریں گے تو کامیابی کا امکان ہے' ورنہ آپ کا خلوص و اخلاص اپنی جگہ پر' کامیابی ممکن نہیں۔

اقول قولی ھذا و استغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

(مرتب: حافظ خالد محمود خضر)

مرکزی **انجمن خدّام القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان —— اور —— سرچشمۂ یقین

قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے —— اور —— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمّتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ